دیوان میر

میر تقی میرؔ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
2002-2006

تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے
جب میرا انتخاب نکلے گا

(میر تقی میر)

غزلیات

ردیف الف

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

طلوع

تاریخ ادبیات اردو میں میر تقی میرؔ کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے اور جتنا شرف قبولیت میرؔ کو حاصل ہوا کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے بجا تحریر کیا ہے کہ:

(۱) اگر دنیا کے ایسیت شعروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا تو میرؔ کا نام اس فہرست میں ضرور داخل کرنا ہوگا،،

''ذکر میرؔ'' اور ''فیض میرؔ'' میر تقی میرؔ کے ایسے نثری شاہکار ہیں جنہوں نے میرؔ کی زندگی کے بہت سے گوشوں سے پردہ ہٹایا ہے بقول مسعود رضوی ادیب:

(۲) میرؔ کی شاعری کو بخوبی سمجھیئے اور میرؔ کو سمجھنا ہو تو ذکر،، اور ''فیض میرؔ'' پڑھیے حقیقت یہ ہے کہ میرؔ کے کلام کی تہہ تک پہنچنے کیلئے ان دو کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے..... ''ذکر میرؔ'' اگر میرؔ کے ماحول کا صحیح نقشہ ہے تو فیض میرؔ ان کی سیرت کی سچی تصویر،،

لیکن اس کے باوجود میرؔ کی زندگی کے بہت سے ایسی گوشے ہیں جو آج بھی مطالعہ میرؔ میں دعوت فکر دیتے ہیں ۔ یہاں تک کہ میرؔ کے سن ولادت تک پر ابھی اختلافات پائے جاتے ہیں اور لوگ ان کی ولادت کا تعین ان کی وفات سے کرنے پر مجبور ہیں۔ وفات کے سن و سال کی بنیاد دو شہادتیں ہیں اول ناسخ کا نکالا ہوا مصرعہ تاریخ،،

''واویلا مر گوشہ شاعراں''

جسکے مطابق میرؔ کی وفات کا سن ۱۲۲۵ ہجری مطابق ۱۸۰۸ عیسوی نکلاتا ہے اور دوئم راجہ صاحت محمود آباد نے ذاتی کتب خانے کا وہ قلمی نسخہ جس کے ہر ورق پر

میر تقی میرؔ کے ایک شاگرد میر محسن المخاطب زین الدین احمد نے تاریخ وفات بروز جمعہ ہستم شعبان المکرّم وقت ۱۲۲۵ھ، تحریر کی ہے۔ واضح رہے کہ یہ میر تقی میرؔ کے دیوان کا وہ نسخہ ہے جس کے راقم میر حسن تجلی ہیں اور اور عبدلباری آسی کے مطابق میرؔ نے اپنے دست مبارک سے یہ قلمی نسخہ اپنے شاگرد میر محسن کو عطا کیا تھا،

میر محسن کے سلسلے میں کسریٰ منہاس نے اپنے مضمون ''میر کے شاگرد'' میں تحریر کیا ہے۔

''محمد محسن نام والد کا نام حسن اغر سے (اکبر آباد) کے رہنے والے تھے۔ میر تقی میرؔ کے برادرادہ اور خان آرزو کے خواہر سادہ تھے۔ محسن خان آرزو کے تربیت یافتہ تھے شاہ عالم کے دور حکومت میں سالار جنگ کی سرکار میں فرائض انجام دیتے تھے۔ چھوٹی عمر میں طبعیت کی نامناسبت کی وجہ سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوگئے۔ میرؔ کے شاگرد تھے۔

(میر کے داماد یعنی ان کے بیٹی بیگم کے شوہر بھی) میرؔ کا قول ہے کہ ''ذہنش بسیار مناسب وسلیقہ اش خیلے درست،، نوعمری میں لی محسن کے کلام میں رنگینی اور اثر کی فراوانی تھی

مولانا محمد حسین آزاد میرؔ کی عمر ۱۰۰ برس قرار دی ہے۔ مصحفی اسے ۸۰ برس کا عرصہ کہتے ہیں اور مولوی عبدالحق نے ۱۱۳۷ھ سن ولادت قرار دیا ہے جس کے مطابق ۸۰ برس عمر بنتی ہے۔

اسی متذکرہ قلمی نسخے کے ایک صفحہ پر ''نوادار اعلماء'' کی عبادت کو شہادت بنا کر ۱۱۳۵ھ سن ولادت اور ۹۰ برس کی عمر پر اتفاق کیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر وبادت بریلوی نے بھی اسی کی حمایت کر کے اس بحث کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے،

''بہر حال اب میرؔ کی ولادت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں یہی تاریخ

صحیح ہے''

لیکن سن ولادت کا اختلاف نہیں ہوا۔ پرفیسر عبادت بریلوی کلیات ۱۹۵۷ھ میں طبع ہوئی تھی اوراس کے بعد ڈآکٹر سید عبداللہ نے ''تقی میرؔ'' میں جس کا سن طباعت ۱۹۶۸ھ ہے میر تقی میرؔ کی ولادت کے سلسلے میں تحریر کیا ہے۔

''میر تقی ۱۹۶۷ھ میں آگرہ (اکبرآباد)'' میں پیدا ہوئے۔ یہ میر تقی کی دوسری بیوی سے تھے۔ محمد علی متقی کی پہلی بیوی خان آرزو کی بہن تھیں،،

والد کے انتقال اور بھائیوں سے اختلافات کے بعد میرؔ دلی آ گئے یہاں ان کے سوتیلے ماموں خان آرزو رہتے تھے یہاں آرزو کی صحبت اور علی کی ادبی مجلسوں نے میرؔ کو بیت متاثر کیا لیکن ان کی آرزوؔ سے بھی نہ نبھ سکی کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آرزوؔ کو ان بھائیوں نے میر کے برخلاف کیا۔

میرؔ کے مزاج کی تشکیل میں انکے ذاتی مسائل خاندانی حالات تو تھے ہی لیکن دلی برابدالی حملوں مرہٹہ کی افاتفری نے ان کے مزید حدت اور شدت پیدا اس کردی اور الم انگریز آہیں۔ ''شور انگیز'' شعر کا موجب ہوئیں جس سے ''قیامت کا ساہنگامہ'' انکے دیوان میں ''ہرجا'' ہے۔

جب دلی کو فلک نے لوٹ کر برباد کیا تو انہوں نے بھی ۱۸۷۶ء میں پورب کا رخ اختیار کیا اور لکھنو کو اپنا مسکن قرار دیا۔

یوں تو میرؔ کا ساری عمر مصائب کے طوفان میں گزری لیکن انتقال سے قبل کے تین سال بڑی قیامت کے تھے جنہوں نے میرؔ کو ہلا کر رکھ دیا۔ ایک سال ان کی زوجہ فوت ہوئیں اور آخر ۲۰ شعبان المکرّم ۱۲۶۵ھ کی شام میر نے بھی اس دنیا کو خیرآباد کیا۔

''۲۱ شعبان المکرّم ۱۲۲۵ھ روز شنبہ دوپہر کے وقت اکھاڑہ بھیسم میں جو

ایک قبرستان تھا اپنے اعز ٔاو اقربا کی قبروں کے پاس سپرد خاک کئے گئے۔ قریب دو چار سو آدمیوں نے انکے جنازے کی نماز پڑھی،،

میر کے دو بیٹے عسکری اور فیض علی اور ایک بیٹی تھی اور حسن اتفاق سے ان تینوں نے اپنے باپ کا شیوہ سخن وری کو اختیار کیا اس سلسلے میں ''فیض میر'' کے مرتب مسعود رضوی ادیب نے تحریر کیا ہے

''میر کے دو بیٹے تو شاعر تھے ہی اور اگر تذکرہ شمیم سخن کی روایت صحیح ہے تو میر کی ایک بیٹی بھی صاحب دیوان شاعر تھیں اور بیگم تخلیص کرتی تھیں،،''

کسریٰ منہاس نے ''میر کے شاگرد'' میں متذکرہ تینوں اور ان کی بیٹی کے شوہر تجلی کو بھی میر تقی میر کا شاگرد قرار دیا ہے۔

میر نے غزلیات کے چھ دیوان چھوڑے ہیں جس میں مثنویاں تضمین، قطعات، رباعیات ترکیب بند، واسوقت، قعائد وغیرہ ہیں اس کے علاوہ میر کی تصانیف ہیں قدیم نسواء کا تذکرہ، ''نکات الشعراء'' کو دنوشت ''ذکر میر'' حکایات و لطائف پر مشتمل ''فیض میر'' ''مجموعہ مراثی'' اور ''دیوان فارسی'' چھوڑا، ہے جو تقریباً سارے کے سارے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں اور انکے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

سری نگر (مقبوضہ کشمیر'' بھارت سے سید اکبر حیدری نے نسخہ محمود آباد کے مخطوطہ ۱۲۰۳ھ پر مشتمل جو کلیات میر مرتب کر کے شائع کی ہے اس میں ان قلمی نسخوں پر روشنی ڈالی ہے جو مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں انہوں نے ۲۶ نسخوں کا سراغ لگایا ہے اور ان کی تضاصیل منظر عام پر لائے ہیں۔

کلیات میر کی اشاعت کا آغاز ۱۸۱۱ء سے ہی ہو گیا تھا اور غالباً میر کی زندگی میں ہی اس کی طباعت کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔

کلیات میرؔ کی طباعت کی اولیت کا شرف فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے پروفیسر کٹین جے ڈبلو کو حاصل ہے جنہوں نے منشی ترائین چرلی۔ مرزا کاظم علی اور منشی غلام اکبر سے مرتب کروا کر ہندستانی پریس کلکتہ سے ۱۸۱۱ء میں ٹائپ پر ۲ سطور ۸x۱۱ کے ۱۰۸۵ صفحات پر مشتمل چھاپا۔

۱۸۶۸ء میں ''کلیات میر'' نامی نولکشور پریس لکھنو نے لیتھوگراف پر شائع کی جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا بعد ازاں ۱۹۴۰ء میں مولوی عبدالباری نے اسے ترتیب دیا جو دسمبر ۱۹۴۱ء میں ۱۰۰۸ صفحات پر مشتمل اسی کا لکھا ہوا مقدمہ اور آخر میں ۲۷ صفحات پر مشتمل فرہنگ ہے۔

یہ کلیات طباعت کے اعتبار سے بہت کو بصورت ہے دو رنگوں میں شائع کی گئی ہے سرخیاں حاشیہ اور فرہنگ سرخ رنگ میں طبع کئے گئے ہیں جبکہ متن سیاہ میں ہے، ان کلیات کے سلسلے میں نولکشور پریس کے مینجر نے تحریر کیا ہے۔

''میرؔ کے کلیات اب تک عام طریقے سے نہایت لاپروائی کے ساتھ غلطیوں کے پر ہوتا رہا لیکن اس مرتبہ خصوصیت کے ساتھ اور سابقہ مطبوعہ نسخوں سے اس کی تصحیح کا پورا اہتمام کیا گیا جس کو مصور درد مولوی عبدالباری اسی اور جناب مولوی سید جعفر علی فاضل دیوبند نے نہایت غور اور امعان نظر کے ساتھ اصل پر نظر کے ساتھ کر کے کئی مرتبہ کاپیوں اور پروفوں کو دیکھ کر صحیح کیا اور بعد کو اُسی صاحب نے اس پر فرہنگ اور مقدمہ کا اضافہ جرمایا دیا اور اس پر حاشیہ دئے)۔

پاکستان میں پہلی بار کلیات میرؔ کی طباعت کا سہرا اردو دنیا کراچی کے سر ہے جس نے ۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر عبادت بریلوی کی مرتبہ شدہ دو کلیات شائع کیں جو انہوں نے ڈی لٹ کیلئے مرتب کرنا شروع کی تھی۔ یہ کلیات ۱۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ۱۰۰ صفحات پر مشتمل مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

آسی کی مرتبہ ''کلیات میر'' میں مسعود رضوی ادیب کے حوالے سے جس مجموعہ مراثی کا تذکرہ آیا تھا۔ عبادت بریلوی نے اپنی کلیات میں ان مرثیوں کو بھی شامل کرلیا۔۱۹۷۳ء سری نگر (مقبوضہ کشمیر) بھارت سے سید اکبر حیدری نے رافہ صاحب محمد آباد کے کتب خانہ کے اس نسخہ کو مرتب کرکے شائع کیا جسے میرؔ نے اپنی حیات میں اپنے شاگرد میر حسن تجلی سے رقم کرایا تھا (جن کا ذکر اس سے قبل آچکا ہے) سید اکبر حیدری نے اس پر ایک مختصر دیباچہ اور طویل مقدمہ ۳۸ تذکرہ نویسوں کا میر پر ذکر مخطوطات کی فہرست و تفصیل میر کے بارے میں اساتذہ سخن کی آراء حوالاجات کی ۸۳ کتب کا شارہ دیا ہے۔

سید اکبر حیدری کے اس کلیات کی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ میر کی پندرہ غیر مطبوعہ غزلیں امثنوی ۲ قعائد ۸ رباعیات اور تقریباً ۳۰۰ اشعار سامنے آتے ہیں۔

سید اکبر حیدری کی اسی کلیات سے ''نقوش'' لاہور کا میر نمبر (شمارہ ۱۲۵ اکتوبر ۱۹۸۰) سجا ہے۔ اور اس نمبر کے ۶۳۲ صفحات میں سے ۴۶۵ صفحات سید اکبر حیدری کے کلیات کا عطیہ ہیں۔

لاہور سے ۱۹۷۷ء میں کلیات میرؔ شائع کرنے کا اہتمام مجلس ترقی ادب نے کیا جو ۱۹۸۲ء تک ٹائپ میں کلیات میرؔ کی پانچ جلدیں شائع کرچکی ہے مجلس کے کلیات کے مرتب کلب علی خائق ہیں جنہوں نے پہلی جلد میں میرؔ کا دیوان اول دوسری میں دیوان دوم تیسعی میں دیوان سوم و چہارم، چوتھی میں دیوان ششم اور پانچویں میں رباعیات، مخمسات، قعائد اور مراثی ترتیب دیئے گئے ہیں۔

جہاں تک انتخاب کلام میر کا تعلق ہے تو ان انتخاب میں مولوی عبدالحق کا انتخاب ایک بلند پایا انتخاب تصور کیا جاتا ہے یہ انتخاب ۲۸/۸ x ۱۸ ہے۔ ۳۱۰

صفحات میں لیتھوگراف پر انجمن ترقی اردو کے (پاکستان) نے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا تھا جس پر ۵۲ صفحات کا ایک مدلل مقدمہ بھی شامل ہے جس میں کلام میرؔ کا درجہ متعین گیا گیا ہے۔

بھارت سے جو انتخاب سامنے آئے ہیں ان میں علی سردار جعفری کا انتخاب مطبع ۱۹۶۲ء قابل ذکر ہے اس انتخاب کو ہندستانی بک ٹرسٹ نے سردار جعفری کے ۵۷ صفحات پر مشتمل مقدمہ سے شائع کیا ہے۔

لیکن جوں جوں زمانہ آگے بڑھے گا کلیات میرؔ نت نئے انداز سے اپنے جوہر دکھاتی رہے گی اور انتخاب میرؔ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ محترم دوست رشید سائل کی فرمائش پر میں نے بھی میرؔ کے کلیات اور ادوین کو کنگھالا ہے اور میرے پیش نظر کم وبیش وہ ساری کتب ادوین اور کلیات رہیں جس کا ذکر میں نے کسی نہ کسی انداز سے کیا ہے یا بطور حوالاجات استعمال کئے ہیں۔ میں اس انتخاب غزلیات میرؔ کے سلسلے میں سب سے زیادہ اپنے رفیق کار عمر محمد خان فیضی پروفیسر ادبیات اردو گورنمنٹ کالج آج سائنس لاہور کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس زمانہ میں جبکہ لوگ نادر کتب کو چھپائے پھرتے ہیں بڑے اعتماد اور محبت سے نامی نولکشور پریس کی کلیات میرؔ مجھے عطا کیں اس کے ساتھ ساتھ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور کے ناظم کتب خانہ محترم بھائی اشرف عباس زیدی کا بھی ممنوں ہوں کہ انہوں نے مواد کی فراہمی اور ترتیب و دروین کیلئے مختلف کلیات کتب اور رسائل مجھے مہیا کئے۔

آخر میں مجھے یہ اعتراف بھی کرنا ہے کہ میں نے اس انتخاب میں وہ غزلیں اور اشعار بھی شامل کر دیئے ہیں۔ جو اکبر حیدری کے دعویٰ کے مطابق ان کی کلیات کی طباعت سے قبل غیر مطبوعہ تھے لیکن ان میں بھی انتخاب کا عمل رکھا ہے اور حاشیہ

میں ان کی شان ہی کر دی ہے۔

حمد

دل رفتۂ جمال ہے اِس ذوالجلال کا
مستجمع جمیع صفات وکمال کا

اور اک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان وخیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں اُنھوں کے حال وقال کا

ہے قسمت زمین وفلک سے غرج نمود
جلوہ دگر نہ سب میں ہے اُس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میرا گھر تجھے
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حسول کا

نعت

ہے حرف کامہ سل زدہ حسنِ قبول کا
یعنی خیال سر میں ہے نعت رسول کا

رہ پیروی اُس کی کہ گام نخست میں
ظاہر اثر ہے مقصد دل کے وصول کا

وہ مقتدائے خلق جہاں اب نہیں ہوا
پہلے ہی تھا امام نفوس وعقول کا

سرمہ کیا ہے وضع بے چشم اہل قدس
احمدؐ کی رہ گزار کی خاک اور وصول کا

ہے متحد نبی و علی وصی کی ذات
یاں حرف معتبر نہیں ہر بوالفضول کا

دھو منھ ہزار پانی سے سو بار بڑھ درود
تب نام لے تو اس چمنستاں کے پھول کا

حاصل ہے میر دوستی اہل بیت اگر
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا

منقبت

جو معتقد نہیں ہے علیؑ کے کمال کا
ہر بال اس کے تن پہ ہے موجب وبال کا

عزت علیؑ کی قدر علیؑ کی بہت ہے دور
مورد ہے ذوالجلال کے عزوجلال کا

پایا علیؑ کو جاکے محمد نے اس جگہ
جس جانہ ھتا لگاؤ کمان وخیال کا

رکھنا قدم پہ اس کے قسم کب ملک سے ہو
مخلوق آدمی نہ ہوا ایسی چال کا

شخصیت ایسی کس کی تھی ختم رسل کے بعد
تھا مشورت شریک، حق لایزال کا

تڑ بتوں کو دوشِ نبی ختم رسلؐ کے بعد
چھوڑا نہ نام کعبہ میں کفر و ضلال کا

راہِ خدا مین ان نے دیااپنے بھی تیئں
یہ جو دسنہ تو دیکھو کسو آشمال کا

نسبت نہ بندگی کی ہوئی جس کی واں درست
رونا مجھے ہے حشر میں اُس کی ہی چال کا

فکرِ نجات میرؔ کو کیا مدح خوان ہے، وہ
اولاد کا علیؑ کی محمد کی آل کا!

ردیف الف

میرے مالک نے میر حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

اُس سرے دل کی خرابی ہوئی اے عشق دریغ
تو نے کس خانہ مطبوع کو ویران کیا

ضبط تھا جب تئیں چاہت نہ ہوئی تھی ظاہر
اشک نے بہ کہ میرے چہرے پہ طوفان کیا

تنہا شوق کی دل کے جو صبا سے پوچھی
اک کفتِ خاک کوئی اُن نے پریشان کیا

مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب ہیں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

خاک و خوں میں لوٹ کر رہ جانے ہی کا لطف ہے
جان کو کیا جو سلامت نیم جاں میں لے گیا

سر گز شتِ عشق کی تہ نہ پہونچایاں کوئی
گرچہ پیش دوستاں یہ داستاں میں لے گیا

ریختہ کا ہے ہے کو تھا اس رتبہ اعلیٰ میں میرؔ
جو زمین نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

تھا مستعار حسن سے اس جو نور تھا
خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرہ ظہور تھا

ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور، تھا

پیدا ہر ایک نامے سے شور نشور تھا
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
ایک شعلہ برق خرمنِ صد کوہِ طور تھا
مجلس میں رات ایک ترے پرتو سے بغری
کیا شمع کیا تینگ ہر ایک لے حضور تھا
منعم کے پاس قاقم وسنجاب متھا تو کیا
اُس زندگی بھی راست گزر گئی جو غور تھا
ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
اُس شوخ کو بھی راہ پر لانا ضرور تھا
کل پانوں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یک سر وہ استخوان شکستوں سے چوز تھا
کہنے لگا کہ سیکھ کر چل راہ بے خبر! !
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا
تھا ہو تو رشک حور بہشتی ہمیں میں میرؔ
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا
اس عہد میں ایسی محبت کا کیا ہوا
چھوڑا وفا کو اُن نے مروت کو کیا ہوا
امیدوار وعدہ دیدار کر چلے!
آتے ہی آتے یار و قیامت کو کیا ہوا

کب تک قطام آہ بھلا مرگ کے تئیں
کچھ پیش آیا واقعہ رحمت کو کیا ہوا
اس کے آگے پر ایسی گئی دل سے ہم نشین
معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا
نخشش نے مجھ کو ابراکرم کیا جمل
اے چشم جوش اشک ندامت کوکیا ہوا
جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتہ ستم تری غیرت کو کیا ہوا
تھی صعب عاشقی کی ہدایت ہی میرؔ پر
کیا جانیے کہ حال نہایت کو کیا ہوا
الٹی ہوگئیں سب تدبیری کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں ہوند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا
حرف نہیں جاں بخشی میں اُس کی خوابی اپنی قسمت
کی ہم سے جو پہلے بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
سارے یندا و باش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے
ہیں بانکے ٹیڑھے ترچھے تکھیے سب کا تجھ کو امام کیا
مرزو ہم سے بے ادبی وحشت میں بھی کم ہی ہوتی

کوسوں اُس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا
کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے، کیا احرام کوچے
کے اس کے باشندوں نے سب کو جہاں سے سلام کیا
شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا میخانے میں
جبہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی ہستی میں انعام کیا
کاش اب ہر قع منہ سے اٹھا دے، ورنہ پھر کیا حاصل ہے
آنکھ مند سے پر ان نے گودیدار کو اپنے عام کیا
یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا
صبح چمن میں اسکو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی
رخ سے گل کو مول لیا قامت سے سرو غلام کیا
ساعد سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لاکر چھوڑ دیئے
بھولے اس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا
کام ہوئے ہیں سارے ضائع ہر ساعت کی ساجت سے
استغنا کی چوگنی ان نے جوں جوں میں ابرام کیا
ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی شکل تھی
سحر کیا، اعجاز کیا، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا
میرؔ کے دین مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا، کب ترک اسلام کیا
چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا
جمال یار نے منہ اس کا خوب لال کیا

فلک نے آہ تری راہ ہیں ہم کو پیدا کر
برنگ سبزہ نور رستنہ پائمال کیا
رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ بھی
سو اس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا
مری اب آنکھیں نہیں کھلتیں ضعف سے ہمدم
نہ کہ کو نیند میں ہے تو یہ کیا خیال کیا
بہار رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو
چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا
جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہے وہ
زلف کسو نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا
لگا نہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے
جو کچھ کو میرؔ کا اس عاشقی نے حال کیا
چھوٹوں کہیں ایذا سے لگا یک ہی جلاد
تاحشر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا
چھٹے رہیں گے دشت محبت میں سر و تیغ
محشر تئیں خالی یہ میدان رہے گا
جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تاحشر جہاں میں مراد دیوان رہے گا
دل دینے کی ایسی حرکت ان نے نہیں کی
جب تک جیے گا میرؔ پشیمان رہے گا
جس سر کو غرور آج ہے تاج دری کا

کل اس پر یہیں سور ہے پھر نوحہ گری کا
شرمندہ ترے رخ سے ہے رخسار پری کا

چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت

اسباب لٹا راہ میں یاں سر سفری کا
زنداں میں جی شورش نہ گئی اپنے جنون کی

اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا
ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا

انصاف طلب ہے نمی ہے دادگر یکا
اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو

آئینے کو پکا ہے پریشان نظری کا
صد موسم گل ہم کو نہ بال ہی گزرے

مقدمہ ورنہ دیکھا کچھو بے بال و پری کا
اس رنگ سے چمکے ہے پلک پر کہ کہے تو

ٹکڑا ہے بڑا اشک عقیق جگری کا
کل سیر کا ہم نے سمندر کو بھی جا کر

تحادست نگر پنجۂ مژگاں تری کا
لے سانس بھی آہستہ نازک ہے بہت کام

آفاق کی اس کا رگہ شیشہ گری کا
ٹک میرؔ جگر سوختہ کی جلد خبر لے

کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

بحر کم ظرف ہے بسان حباب
کاسہ لیں اب ہوا ہے تو جس کا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا!
دم کے جانے کا تہایت غم رہا

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا!

دل نا پہنچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ کون تھا مژہ پر جسم رہا

جامۂ حرامزاحد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغز تم رہا

صبح پیری شام ہونے آئی میرؔ
تو نہ جیتایاں بہت دن کم رہا

سحر گہ عید میں دور سبو تھا
پر اپنے جام میں تجھ بھ لہو تھا

غلط تھا آپ سے غافل گزرنا
نہ سمجھے ہم کو اس قالب میں تو تھا

گل د آئینہ کیا خورشید ور کیا
جدھر دیکھا تدِھر تیرا ہی رو تھا

گرو گے یاد بائیں تو کہو گے!!

کہ کوئی رفتہ بسیار گو تھا

جہں پر ہے فسانے سے ہمارے
دماغ عشق ہم کو بھی کبھو تھا
نہ دیکھا میرؔ آوارہ کو لیکن
غباراک نا تواں ساکوبکو تھا
راں دور عشق سے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
قافلے میں صبح کے اک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا!
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں
تخم خواہش دل تو بوتا ہے کیا
یہ نشان عشق ہین جاتے نہیں
داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا
آنکھوں نے رازداری محبت کیا خوب کی
آنسو جو آتے آتے رہے تو لہو بہا
آئے تھے اک امید پہ تیرے گلی میں ہم
سو آہ اس طرح چلے لو ہومیں ہم ہونا
کس کس طرح سے میرؔ نے کاٹا ہے عمرکو
اب آخر آخر ان کے یہ ریختہ کہا
پنجہ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو
گر نکالا میں گریبان سے تو دہن میں رہا

شمع ساں چلتے رہے لیکن نہ ٹوڑا یار سے
رشتہ الفت تمامئی عمر گردن میں رہا

ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر وحرم کی راچل
اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ دیر ہمن میں رہا

آہ کس انداز سے گزرا بیاباں سے کہ میرؔ
جہ ہر اک نخچیر کا اس صید فگن میں رہا

پیارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

قسم جو کھایئے تو طائع زلیخا کی
عزیز مصر کا بھی صاحب اک غلام لیا

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے
نگاہ مست نے ساقی کی انتقام لیا

وہ کج روش نہ ملا راستے میض مجھ سے کبھی
نہ سیدھی طرح سے ان نے مراسلام لیا

مزاد کھادیں گے بے رحمی کا تری صیاد
گر اضطراب اسیری نے زیردام لیا

مرے سلیقے سے میری بھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

اگر چہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ
پہ میرے شور نے روئے زمین تمام لیا

سیر کے قابل ہے دل صدپارہ اس نخچیر کا

جس کے ہر ٹکڑے میں ہو بہت پیکاں تیرکا
سب کھلا باغ جہاں الا یہ حیران دہنا
جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنچہ تھا تصویر کا
کیونکہ نقاش ازل نے نقش ابرو کا دیکھا
کاہے ایک تیرے منہ پر کھینچتا شمشیر کا
رہ گزر سیل حوادث کا ہے بے بنیاد دہر
اس خرابے میں نہ کرنا قصد تم تعمیر کا
بس طبیب اٹھ جا مری بالیں سے مت دے درد سر
کام جاں آخر ہوا اب فسانہ تدبیر کا

جن بلاؤں کو میرؔ سنتے تھے
ان کو اس روزگار میں دیکھا

کئی دن سلوک وداع کا، مرے درپے دل راز تھا
کبھو، درد تھا، داغ تھا، ذکم تھا، کبھو دار تھا
دم صبح بزم کوش جہاں شب غم سے کم نہ تھے مہرباں
چراغ تھا سو تو دور تھا، جو تپنگ تھا سو غبار تھا
دل خستہ جو لہو ہوگیا، تو بھلا ہوا کہ کہاں تک
کبھو، سوز سینہ سے داغ تھا، کبھو دردو غم سے فگار تھا
دل مضطرب سے گزر گئے، شب وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا، نہ شکیب تھا نہ قرار تھا
جو نگاہ کی بھی پلک اُٹھا، تو ہمارے دل سے لہو بہا
کہ وہیں وہ نازک بے خطا، کسو کے کلیجے کے پار تھا

یہ تمہاری ان دنوں دوستاں، مژہ جس کے غم میں ہے خوں چکاں
وہی آفت دل عاشقاں، کسو وقت ہم سے بھی یار تھا
نہیں تاں دل کا شکستگی، ہی درد تھا یہی خستگی
اسے جب سے ذوق شکار تھا، اسے زخم سے سروکار تھا
کبھو جائے گی جو ادھر صباء تو ہی کہیو اس سے کہ بے وفا
مگر ایک میرؔ شکستہ پا، تری باغ تازہ میں خار تھا

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا
موسم سمجھے تھے ترے دل کا سو پتھر نکلا
داغ ہوں رشک محبت سے کہ اتنا بے تاب
کس کی تسکین کے لئے گھر سے تو ماہر نکلا
نامرادی کی رسم میرؔ سے ہے
طور پہ اس جواں سے نکلا!!
گرمی سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا
راتوں کو روتے ہی جوں شمع گل گیا
ہم خستر دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا
گرمی عشق مانع نشور ونما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ اگا اور جل گیا
سمتی میں چھوڑ دیا کہ کعبے چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی دل لیکن سنبھل گیا
ساقی نشے میں تجھ سے لنڈھا شیشہ، شراب

چل اب کہ دخت تاکہ کا جوبن تو ڈگل گیا
ہر ذرہ خاک تیری گلی کی ہے لیے قرار
یاں کون سا ستم زدہ مائی میں رل گیا
عریاں تنی شوخی سے دیوانگی میں میرؔ
مجنوں کے دشت کار کا داماں بھی چل گیا

تا بہ مقدور انتظار کای
دل نے پھر زور بے قرار کیا
ہم فقیروں سے بے ادائی کی
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا
دشمنی ہم سے کی زمانے نے
کہ جفا کار تجھ سے یار کیا
یہ تو ہم کار خانہ ہے
یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
ایک ناوک نے اس کی مژگان ہے
طاہر سدرہ تک شکار کیا
صدرگ جاں کو تاب دے باہم!
تیرے زلفوں کا ایک تار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے میرؔ
مذہب عشق اختیار کیا

آہ سحر نے سوزش کو مٹا دیا
اس باد نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا

سمجھی نہ دیا باد صبح کہ آ کر اٹھا دیا
اس فتنہ زمانہ کو ناحق جگا دیا

پوشیدہ راز عشق چلا جائے تھا سو آج
بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا

اس موج خیز دہر میں ہم کو قضائے آہ
پانی کے بلبلے کی طرح سے مٹا دیا

تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا

سب شور مادمن کو لیے سر میں مر گئے
یاروں کو اس فسانے نے آخر سلا دیا

آدار گان عشق کا پوچھا جو میں نشان
مشت غبار سے کے صبا نے اڑا دیا

اجزاء بدن کے جتنے تھے، پانی ہو بہ گئے
آخر گداز عشق نے ہم کو بہا دیا

کی کچھ نہ تھا ازل میں نہ طالع جو تھے درست
ہم کو دل شکستہ قضا نے بولا دیا

گویا محاسبہ مجھے دنیا تھا عشق کا
اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا

مدت رہے کی یاد ترے جہرے کی جھلک
جلوے کو جس نے ماہ کے جی سے چلا دیا

ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں

دل جو دیا تھا ہو تو دیا سر جدا دیا
بو نے کباب سوختہ آئی دماغ میں
شاید جگر بھی آتش غم نے جلا دیا
تکلیف درد دل کی عبث جنشیں نے لی
درد سخن نے میرے سبھوں کو رُلا دیا
ان نے تو تیغ کھینچی تھی پر جی چلا کے میرؔ
ہم نے بھی ایک دم میں تماشہ دکھا دیا
وہ چوپی کر شراب نکل گا
کس طرح آفتاب نکلے گا
محتسب میکدہ جاتا نہیں
یہاں سے ہو کر خراب نکلے گا
یہی چپ سے تو درد دل کہتے!
سونہہ سے کیونکر جواب نکلے گا
جب اٹھے گا جہان سے یہ نقاب
تب ہی اس کا حجاب نکلے گا
عرق اس کے بھی مونہہ کا بو کیجو
گر کبھو یہ گلاب نکلے گا! ! ! ! !
آؤ بالیں تک نہ ہو کے دیر
جی ہمارا شتاب نکلے گا
دفتر داغ ہے جگر اس میں
کسو دن یہ حساب نکلے گا

تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے
جب میرا منتخاب نکلے گا
میرؔ دیکھو گے رنگ نگرس کا
اب جو وہ مست خواب نکلے گا
تجاہل تغافل تساہل کیا
ہوا کام مشکل تو گل کیا
نہیں تاب لاتا دل زارب
بہت ہم نے صبر تحمل کیا
زمین غزل ملک سی ہوگئی! ! !
یہ قطعہ تصرف میں بالکل کیا
جنوں تھا نہ مجھ کو نہ چپ رہ سکا
کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غل کیا
نہ سوزوروں فصل گل میں چھپا
سرو سیبہ سے داغ نے گل کیا
ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا! !
غلاموں اس کے توسل کیا
حقیقت نہ میرؔ اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا
مت سہل ہمیں سمجھو پھونچے تھے بہم تب ہم
برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
کیا ظلم کیا بیجا مارا جیون سے ان نے

کچھ ٹھور بھی تھی خون کو ظالم نہ جگانا تھا
ہو باغ و بہار آیا گل پھو کہیں پایا
جلوہ اسے یاں اپنا صدر رنگ دکھانا تھا
کہتے نہ تھے ہم داں سے پھر آ چکے جتنے تم
میرا اس گلی میں تم کو زنہا ر ناجانا تھا
سینہ کو بی ہے طیش سے غم ہوا
دل کے جانے کا بڑا ماتم ہوا!
آنکھیں دوروڑین خلق جا اودھر گری
اٹھ گیا پردہ کہاں اودھم ہوا
کیا لکھوں رویا جو لکھتے جوں قلم
سب مرے نامے کا کاغذ نم ہوا
ہم جو اس بن خوار ہیں حد سے زیاد
یار یاں تک آن کر کیا کم ہوا
آ گیا یوں ہی خراماں وہ تو پھر
حشر کا ہنگامہ ہی برہم ہوا
درہمی سے برہمی سے دیکھیو
دونوں عالم کا عجب عالم ہوا
جسم خاکی کا جہاں پردہ اٹھا
ہم ہوئے ہو میرؔ وہ سب ہم ہوا
ہجر کی ایک آن میں دل کا ٹھکانا ہوگیا
ہر زماں ملتے تھے باہم سوز مانا ہوگیا

دان تعلّی ہی تجھے کرتے گئے شام وسحر
یاں ترے مشتاق کا مرنا بہانا ہو گیا

صد سخن آئے تھے لب تک پر نہ کہنے پائی ایک
ناگہاں اس کی گلی سے اپنا جانا ہوگیا

رہنے کے قابل تو ہرگز تھا نہ یہ عبرت سرائے
اتفاق اس طرف اپنا بھی آنا ہوگیا

شب شمع بھی چپکی مجلس میں لگ گئی تھی
سر گرم شوق مردن جس دم پتنگ آیا

فتنے فساد اٹھینگے گھر گھر میں خون ہوں گے
گر شہر میں خرامان وہ خانہ جنگ آیا

ہر سر نہیں ہے شایاں شور قلندری کا
گو شیخ شہر باندھے زنجیر زنگ آیا

شیرے کی اپنے رونق اے میر عارضی ہے
جب دل تو خوں کیا تو چہرے پہ رنگ آیا

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ یہ دل ہے کیا
ایسے ناداں دلربا کے ملنے کا حاصل ہے کیا

جانتا باطل کسو کو یہ قصور فہم ہے
حق اگر سمجھے تو سب کچھ حق ہے یاں باطل ہے کیا

مرثیہ میرے بھی دل کا رقت آور ہے بلا
محتشم کو میرؔ میں کیا جانوں اور مقبل ہے کیا

ہو بلبل گلگشت کہ اک دن ہے خزاں کا

اڑتا ہے ابھی رنگ گل باغ جہاں کا

ہے مجھ کو یقین تجھ میں وفا ایسی جفا پر

گھر جاک برابر ہوئے اس میرے گماں کا

سینے میں میرے آگ لگی میرے سخن سے

جوں شمع جلایا ہوا ہوں اپنی زبا ن کا

آرحم عدم میں نہ تھا ہستی میں نہیں چین

معلوم نہی میرا ارادہ ہے کہاں کا

کیا پوچھو ہو کیا کہیے میاں دل نے بھ کیا کام کیا

عشق کیا ناکام رہا آخر کو کام تما م کیا

عجز کیا سواس مفسد نے قدر ہماری یہ کچھ کی

تیوری چڑھائی غصہ کیا جب ہم جھک نے سلام کیا

کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے

آخر دل کی بیتابی سے خط بھیجا پیغام کیا

عشق کی تہمت جب نہ ہوئی تھی کاہیکو ایسی شہرت

ہے

شہر میں اب رسواہیں یعنی بدنامی سے کام کیا

ریگستان میں جاکے رہیں سنگستان میں ہم جوگی

رات ہوئی جس جگہ ہم کو ہم نے وہیں بسرام کیا

خط و کتابت لکھنا اس کو ترک کیا تھا اسی لیے

حسرو سے پکالوہوا ب جو کچھ ارقام کیا

اس کا تو شہد شکر ہے ذوق میں ہم ناکاموں

لوگوں مین لیکن پوچ کہا یہ لطف بے ہنگام کیا
ایسے کوئی جہاں سے جاوئے رخصت اس حسرت سے بوئے
اس کوچے سے نکل کر ہم نے ردیہ قفا گام کیا
میرؔ جوان نے منہ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف کیا احسان کیا انعام کیا اکرام کیا
عشق ہمارے خیال بڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
عشق کیا سودین گیا ایمان گیا اسلام گیا
دل نے ایسا کام کیا کچھ جس نے میں ناکام گیا
کس کس اپنی گل کو رووے ہجراں میں ہیکل اسکا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے جین گیا آرام گیا
آیایاں سے جانا ہے تو جی کا چھپانا کیا حاسل
آج گیا یا گل جاوئے گا صبح گیا یا سام گیا
ہائے جوانی کیا کیا کہیئے شوع سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا
گالی جھڑکی خشم وخشونت یہ تو سردست اکثر ہیں
لطف گیا احسان گیا انعام گیا اکرام گیا
لکھنا کہنا ترک ہوا تھا آہس میں تو مدرت سے
اب جو قرار کیا ہے دل سے خط بھی گیا پیغام گیا
نالہ میر سواد میں ہم تک دوشیں شب سے نہیں آیا

شاید شہر سے ظالم کے عاشق وہ بدنام گیا
جو اس شور سے میرؔ روتا رہیگا

تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا!
میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا

بس اے گریہ آنکھیں ترے کیا نہیں ہیں
کہاں تک کہاں کو ڈبوتا رہے گا

مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے!
جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بس اے میرؔ مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پرتا رہے گا

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا! ! !

دل مجھے اس گلی میں لیجا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا! ! !

ابتداہی میں مرگئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا! ! !

ابتو جاتے ہیں بتکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا!

ہر دم طرف ہے ویسے مزاج کرخت کا
ٹکڑا مراجگر کہو کنگ سخت کا

سبزاں تازہ ردکی کہاں جلوہ گاہ تھی
اب دیکھئے تو وہاں نہیں سایہ درخت کا

جوں برگ ہائے لالہ پریشیاں ہوگیا
مذکور کیاہے اب جگر لخت لخت کا

دلی میں آج بھیکھ بھی ملتی نہیں انھیں
تھا کل تلک دماغ جنھیں تاج و تخت کا

خاک سیہ سے میں جو برابر ہواہوں میر
سایہ پڑا ہے مجھ پر کسو تیرہ بخت کا

ہم عشق میں نہ جانا غم ہی سدا رہیگا
دش جون جو ہے یہ مہلت سو یہاں دہا رہیگا

دل ہی کے غم میں گزری اپنی تو عمر ساری
بیمار عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا

اس گل بغیر جیسے ابرِ بہار عاشق
بالاں جدا رہے گا، روتا جدا رہے گا

دانستہ ہے تغافل غم کہنا اس سے حاصل
تم درد دل کہو گے وہ سر جھکا رہے گا

اب جھمکی اس کی تم نے دیکھی کبھو جو یارو

برسوں تلک اسی میں پھر دل سدا رہیگا
بھلا ہوگا کچھ اک احوال اس سے یا بڑا ہوگا
مال اپنا ترے غم میں خدا جانے کہ کیا ہوگا
تفحص فائدہ نا صح تدارک تجھ سے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد دل جس کا لگا ہوگا
نہ ہو کیوں غیرت گلزار وہ کوچہ خدا جانے
لہو اس خاک پر کن کن عزیزوں کا گرا ہوگا
بہت ہمسائے اس گلشن کے زنجیری رہا ہوں میں
کھبو تم بھی میرا شور نالوں کا سنا ہوگا
کہیں ہیں میرؔ کو مارا گیا شب اس کے کوچے میں
کہیں وحشت میں شاید بیٹھے اٹھ گیا ہوگا
یہاں نام یار کس کا درجہ زباں نہ پایا
پر مطلقاً کہیں ہم اس کا نشاں نہ پایا
پایا نہ یوں کہ کریے اس کی طرف اشارت
یوں تو جہاں میں ہم نے اس کو کہاں نہ پایا
یہ دل کہ خون ہووے برجانہ تھا وگرنہ
وہ کونسی جگہ تھی اس کو جہاں نہ پایا
یہ دل کہ خون ہو وے برجانہ تھا وگرنہ
وہ کونسی جگہ تھی اس کو جہاں نہ پایا
جو یہ سل ہے تو کیا سرانجام ہوگا
تہ کاک بھی خاک آرام ہوگا! !

مراجی تو آنکھوں میں آیا یہ سنتے
کہ دیدار بھیا یکدن عام ہوگا
نہ ہوگا وہ دیکھا جسے کیک تونے
وہ اک باغ کا سرواندام ہوگا
نہ نکلا کر اتنا بھی بے پرسہ گھر سے
بہت اس میں ظالم تو بدنام ہوگا
ہزاروں کی یاں لگ گئیں چھت سے آنکھیں
تو ای ی ماہ کسِ شب لبہام ہوگا!
جگر چاکی، ناکامی، دنیا ہے آخر
نہیں آئے جو میرؔ کچھ کام ہوگا
نہ پوچھ خواب زلیخا نے کیا خیال لیا
کہ کاروان کا کنعان کے جی نکال لیا
رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بھل ہم بھی
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
رہوں ہوں برسوں سے ہمدوش پر کبھون انے
گلے میں ہاتھ مرا پیار سے نہ ڈال لیا
ناں کی میرؔستم دہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے ساہے بھی خلق کا وبال نے
نقاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا!
اس شوخ کم سما کانتِ انتظار کھینچا
رسم قلمر عشق مت پچھ کچھ کہ ناحق

ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا
تھا بد شراب ساقی کتنا کہ رات میں سے
میں نے جو ہاتھ کھینچا ان نے کٹار کھینچا
مستی میں شکل ساری نقاش سے کھنچی پر
آنکھیں کو دیکھ اس کی آخر خمار کھینچا
جی کھنچ رہے ہیں ادھر عالم کا ہوگا بلوا
گرشا نے تو نے اس کو زلفوں کا رار کھینچا
تھے شب کئے کسائے تیغ کشیدہ کف میں
پر میں بھی بغل میں بے اختیار کھینچا
پھرتا ہے میرؔ تو جو پھاڑے ہوئے گریان
کس کس ستم زدے نیداماں یار کھینچا
باربار گور دل جھنکا لایا! ! ! ! ! !
اب کے شرط وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاع دل
سارے عالم میں میں دکھالایا
دل کہ اک قطرہ خون نہیں ہے بیش
ایک عالم کے سر بلالایا
عمزے نے اس کے چوری میں دل کی ہنر کیا
اس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا
رنگ اڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا نسیم
ہم کو تو روز گارنے بے بال و پر کیا

نافع جو تھیں مزاج کو اول سو عشق میں
آخر انھیں دواؤں نے ہم کو ضرر کیا

کیا جانوں بزم عیش کہ ساقی کی چشم دیکھ
میں صحبت شراب سے آگے سفر کیا

جس دم کہ تیغ عشق کھینچی بوالہوس کہاں
سن لیجو کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا

وہ دشت خوفناک رہا ہ مرا وطن
سنکر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا

ہیں چاروں طرف خیمے کھڑے گردباد کے
کیا جنئے جنوں نے ارادہ کدھر کیا

لکنت تری ابان کی ہے سحر جس سے شوخ
اک حرف نیم گفتہ نے دل پر اثر کیا

بے شرم محض ہے وہ گنہگار جن میرؔ
ابرکرم کے سامنے دامانِ تر کیا

ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتواں مارا گیا
سب کہیں گے یہ کہ کیا اک تیم جاں مارا گیا

ایک نگہ سے نہیں کچھ نقاں نا آیا اسکے تیہں
اور میں بیچارہ تو اے مہرباں مارا گیا

دس و ہجراں سی جو دو منزل ہیں راہ عشق کی
دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا

دل نے سر کھینچا دیار عشق میں اے بولہوس

ہو سرپا آرزو آخر جواں مارا گیا
کب نیاز عشق ناز حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر میرؔ سر برآستاں مارا گیا

تسلی ہوا صبر سے کچھ میں تجھ بن
کبھی یہ قیامت طرحدار ہوگا
صبا موئے زلف اس کا ٹوٹے تو ڈر ہے
کہ اک وقت میں یہ سیہ مارا ہوگا
میرا دانت ہے تیرے ہونٹوں پہ مت پوچھ
کہوں گا تو لڑنے کو تیار ہوگا
نہ مرکز بھی چھوٹے گا اتنا رکے گا
تیرے دام میں جو گر فتار ہوگا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
صبر تھا ایک مونسِ ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا
دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش
گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
عشق کو حوصلہ ہے شرط ارنہ
بات کا کد کو ڈھب نہیں آتا

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم
پر سخن تا بلب نہیں آتا! !

دور بیٹھا غبار میرؔ اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

افسوس کی بھی چشم تھی ان سے خلاف عقل
بارِ علاقہ سے تو عبث پشت خم ہوا

اہل جہاں ہیں سارے ترے جیتے جی تلک
پوچھیں گے بھی نہ بات جہاں عدم ہوا

کیا کیا عزیز دوست ملے میرؔ خاک میں
تاوان یہاں کسو کا کسو کا بھی غم ہوا!

دل و دماغ ہیاب کس کو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا

اگچہ عمر کے دس دن یہ لب رہے خاموش
سخن رہیگا سدا میری کم زبانی کا

نمود کرکے وہیں بحر غم میں بیٹھ گیا
کہے تو میرؔ بھی اک بلبلا تھا پانی

مواد میں سجدہ میں پر نقش میرا یار رہا
اس آستاں پہ میری خاک سے غبار رہا

شرابِ عیش میسر ہوئی جسے اک شب
پھر اس کو روز قیامت تلک خمار رہا

بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا

وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا
تمام عمر گئی اس پہ ہاتھ رکھتے ہمیں
وہ درد ناک علی الرغم بیقرار رہا
بہاتو خون ہو آنکھوں کی راہ یہ نکلا
رہا جو سینہ سوزاں میں داغدار رہا
سواس کو ہم سے فراموش کاریوں لیگے
کہ اس سے قطرۂ خوں بھی نہ یادگار رہا
گلی میں اس کی گیا، سوگیا، نہ بولا پھر
میں میرؔ میرؔ کر اس کو بہت پکار رہا
دل کے تئیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا
دل میں رہ دل میں کہ معمار قضا سے اب تک
ایسا مطبوع مکاں کوئی بنایا نہ گیا
کبھو عاشق کے ترے جیسے سے ناخن کا خراش
خط تقدیر کے مانند مٹایا نہ گیا
شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے
ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا
گرچہ سردار کا ہے امیری کا مزا
چھوڑ لذت کے تئیں لے تو فقیری کا مزا
اے کہ آزاد ہے ٹک چکھ نمک مرغ کباب
تاتو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

ہم تو گمراہ جوانی کے مزوں پر ہیں میرؔ
حضرت خضرؑ کو ارزانی ہو پیری کا مزا

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

میرؔ کس کو اب دماغ ِ گفتگو
عمر گزری ریختہ چھوٹا گیا

یادایام کہ یہاں ترک شکیبائی تھا
ہرگلی شہر کی یہاں کوچہ رسوائی تھا

اتنی گزری جو ترے ہجر میں سوا سکے سب
صبر مرحوم رجب مونس تنہائی تھا

تیرے جلوہ کا مگر رو تھاسحر گلشن میں
نرگس اک دیدہ حیران تماشائی تھا

یہی زلفوں کی تری بات تھی یاکاکلکی
میرؔکوخوب کیا سیر تو سودائی تھا

اے دوست کوئی مجھ رسوا نہ ہواہوگا
دشمن کے بھی دشمن پر ایسا نہ ہواہوگا

تک گورغریباں کی کر سیر دنیامیں
ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہوا ہوگا

اس منہ خرابے میں آبادی نہ کر منعم
اک شہر نہیں یاں جو صحرا نہ ہواہوگا

آنکھوں سے تری ہم کو ہے چشم کہ اب ہووے

جو فتنہ کہ دنیا میں برپا نہ ہواہوگا
عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
اس جنس کا یہاں ہم نے خریدار نہ پایا
غیروں ہی کے ہاتھوں میں رہے دست نگاریں
کب ہم نیترے ہاتھ سے آزاد نہ پایا
حق ڈھونڈھنے کا آپ کو آتا نہیں ور نہ
عالم ہے سبھی یار کہاں یار نہ پایا
تصویر کے مانند لگے درہی سے گزری!
مجلس میں تری ہم نے کبھو بار نہ پایا
سوراخ ہے سینے میں ہراک شخص کے تجھ سے
کس دل کے ترا تیر نگہ پار نہ پایا
یہ تمہاری اندنوں دوستاں مژجس کے غم ہے
خونچگاں
وہی آفت فل عاشقاں کسووقت ہم سے بھی یار تھا
نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی خستگی
اسے جب سے ذوق شکار تھا اسے زخم سے سروکار
تھا
کبھوجائے گی جوادھر صباء، تو کہیو اس سے کہ بے
وفا
مگر ایک میرؔ شکستہ پا ترے باغ تازہ میں خار تھا
مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا

موسم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا
جتنے جی آہ ترے کوچے سے کوئی نہ پھرا
جو ستم دیدہ رہا جا کے سو مر کر نکلا
دل کی آبادی کا اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا
اشک تر قطرہ خون، لخت جگر، پارۂ دل
ایک سے ایک عدر آنکھ سے بہ کر نکلا
کنج کا دی کی سینے کی غم ہجراں نے
اس دفینے میں سے اقسام جواہر نکلا
ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میرؔ
پر ترا نامہ تو ک شوق کا دفتر نکلا
رہے خیال تنک ہم روہیاہوں گا
لگے ہو خون بہت کرنے بیگناہوں گا
گلی میں اس کی پھٹے کپڑوں پر مرے مت جا
لباس فقر ہے واں فخر بادشاہوں کا
تما م عمر رہیں خاکِ زیر پا اس کے
جو زور کچھ چلے ہم عجز دستگاہوں گا
حساب کا ہے کا روز شمار میں مجھ سے
شمار ہی نہیں ہے کچھ مرے گناہوں کا
تری جو آنکھیں ہیں تلوار کے تلے بھی ادھر
فریب خوردہ ہے تو میرؔ کن نگاہوں کا

اس کا خرام دیکھ کے جایانہ جائے گا
اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جائے گا

ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو چشمیار
سر سے ہمارے تیغ کا سایانہ جائے گا

ہم رہروانِ راہ فنا ہیں برنگ عمر
جاعیں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا

پھوڑا سا ساری رات جو پکتار ہیگا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایانہ جائے گا

اپنے شہید ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر
دیواں حشر میں اسے لایانہ جائے گا

اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہواہے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایانہ جائے گا

ہم بیخودانِ محفل تصویر اب گئے
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

قسم جو کھایئے تو طالع زلیخا کی
عزیز مصر کا بھی صاحب اک غلام لیا

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے
نگہ مست نے ساقی کی انتقام لیا

وہ کجروش نہ ملا راستی میں مجھ سے کبھی
نہ سید ہی طرح سے ان نے مرا سلاکیا

مزا دکھادیں گے بیرحمی کا تری ضیاد

مگر اضطراب ِاسیری نے زیر دام لیا
مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا
اگر چہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ
پہ یمرے شور نے روئے زمیں تمام لیا
آگے جمال ِ یار کے معزور ہوگیا
گل اک چمن میں دیدۂ بے نور ہوگیا
یک چشم منتظر ہے کہ دیکھیے ہے کب سے راہ
جوں زخم تیرے دوری میں ناسور ہوگیا
قسمت تو دیکھ شیخ کو جب لہرآئی تب
دروازہ شیرہ خانے کا معمور ہوگیا
پہنچا یہ نادونوش کہ بیش فراق سے
سینہ تمام خانہ زبنور ہوگیا
اس ماہ چاردہ کا چھپے عشق کیونکہ آہ
اب تو تمام شہر میں مشہور ہوگیا
شاید کسو کے دل کو لگی اس گلی میں چوٹ
میری بغل میں شیشہ دل چور ہوگیا
دیکھا جو میں نے یار تو وہ میرؔ ہی نہیں
تیرے غم ِفراق میں رنجور ہوگیا
یہ میرؔ ستم کشتہ کسو وقت جوں تھا
انداز سخن کا سبب شور و فغان تھا

جادو کی بڑی پرچہ ابیات تھا اس کا
منہ تکتے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا

افسردہ نہ تھا ایسا کہ جوں آب زدہ خاک
ندی تھا، بلا تھا، کوئی آشوت جہاں تھا

کس مرتبہ تھی حسرت دیدار مرے ساتھ
جو پھول مری خاک سے نکلا نگراں تھا

مجنوں کو عبث دعوئے وحشت ہے مجھ سے
جس سن کہ جنوں مجھ کو ہوا تھا وہ کہاں تھا

غافل تھے ہم احوال دل خستہ سے اپنے!
وہ گنج اسی کنج خرابی میں نہاں تھا

کس زور سے فرہاد نے خارا شکنی کی
ہر چند کہ وہ بیکس و بیتاب و تواں تھا

گو میرؔ جہاں میں کنھوں نے تجھ کو نہ جانا
موجود نہ تھا تو تو کہاں نامونشاں تھا

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا
یا تن آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا

دل نہ تھا ایس جگہ جس کی نہ سدھ لیجئے کبھو
اجڑی اس بستی کو پھر تو نے بسایا ہوتا

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سُنے گا
پڑھتے کسو کو سُنے گا تو دیر تلک سر دُھنیئے

ایسی تلاش بہت سی رہے گی اس انداز کے کہنے کا

صحبت میں علماء فضلا کی جا کر پڑھیئے گنیئے پر
دل کی تسلی جبکہ ہو گی گفت وشنود سے لوگونکی آگ
پھنکے گی غم کی بدن میں اس میں جلیئے بھنیئے گا
گرم اشعار میر درد نہ داغوں سے یہ بھر دیں گے
زردرو شہر میں پھر لیے گا گلیوں میں نے گل جنیئے
تھا اندوہ گرہ مدت سے دل میں خوں ہو درد ہو
چاہ نے بدلے رنگ کئی اب جسم سرسر زرد ہوا
وعدہ خلافی اس ظالم کی کھا گئی میری جان غمیں
گرمی کرے وہ مجھ سے جب تک تب تک میں سرد
ہو
گردوغبار دوشت دوادی گریے سے میرے
یکسو ہیں
رونے کے آگے ان کے تو دریا بھی میرؔ اب گرد ہوا
تیغ ستم سے اس کی مرا سر جدا ہوا
شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا
قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجا ضرور
جاتا ہے اب تو جی ہی ہمارا چلا ہوا
وہ تو نہیں کہ اشک تھمے ہی نا آنکھ سے
نکلے ہے کوئی لخت دل اب سو جلا ہوا
حیران رنگ باغ جہاں تھا بہت رکا
تصویر کی گلی کی طرح دل نہ وا ہوا

عالم کی بے فضائی سے تنگ آ گئے تھے ہم
جا گہ سے دل گیا جو ہمارا بجا ہوا

درپے ہمارے جی کے ہوا غیر کیلئے
انجام کا ر مدعی کا مدعا ہوا

اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھئے
جیسے کسو کا کوئی نگر ہولناہوا

بدتر ہے زلیت مرگ سے ہجرانیار میں
بیمار دل بھلا نہ ہواتو بھلا ہوا

کہتاتھا میرؔحال تو جب تک تو تھا بھلا
کچھ ضبط کرتے کرتے ترا حالِ کیاہوا

رفتار وطوروطرزوروش کایہ ڈھب ہے کیا
پہلے سلوک ایسے ہی تیرے تھے اب ہے کیا

ہم دل زدہ نہ رکھتے تھےتم سے یہ چشم داشت
کرتے ہو قہر لطف کی جاگر غضب ہے کیا

عزت بھی بعد ذلت بسیار چھیڑ ہے
مجلس میں جب خضیف کیا پھر ادب ہے کیا

آئے ہم آپ میں‌تو نہ پہچانے پھرگئے
اس راہ صعف عشق میں یارروتعب ہے کیا

حیراں ہیں اس دہن کے عزیزان خوروہ ہیں
یہ بھی مقام ہائے! تامل طلب ہے کیا

آنکھیں جو ہوویں تیری ت تو عین کررکھے

عالم تمام گروہ نہیں تو یہ سب سے کیا
اس آفتاب بن نہیں کچھ سوجھتا ہمیں!

گر یہ ہی اپنے دن ہیں تو تاریک شب ہے کیا
تم نے ہمیشہ جو روستم بے سبب کئے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہے کیا

کیونکر تمہاری بات کرے کوئی اعتبار
ظاہر میں کیا کہو ہو، سخن زیرلب ہے کیا

اس مہ بغیر میرؔ کا مرنا عجب ہوا
ہر چند مرگ عاشق مسکیں مجب ہے، کیا

جھمکی دکھا کے طور کو جن نے جلادیا
آئی قیامت ان نے جو پردہ اٹھا دیا

کیا پانی کے مول آکر مالک نے گہر بیچا
ہے سخت گراں سستا یوسف کا بکاجانا

ہے میرے ترے نسبت روح اور جسد کی سی
کب آپ سے میں تجھ کو اے جان جداجانا

جاتی ہے گزرجہ پر اس وقت قیامت سی
یاد آوے ہے جب تیرا یکبار گی آجانا

جاتی ہے گزرجی پر اس کی رہتی ہے یہی صحبت
تیغ اس کو اٹھا تو سر مجھ کو جھکاجانا

کب میربسر آئے تم ویسے فریبی سے
دل کو تو لگا بیٹھے لیکن نہ لگا جانا!

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا

کاٹے ہیں خاک اڑا کر جوں گرد باد برسوں
گلیوں میں ہم ہوئے ہیں اس بن خراب کیا کیا

انواعِ جرم میرے پھر بے شمار و بے حد
روزِ حساب لیں گے مجھ سے حساب کیا کیا

افراطِ شوق میں روست رہی نہ مطلق
کہتے ہیں میرے منہ پر اب شیخ و شباب کیا کیا

کچھ سوجھتا نہیں ہے مستی میں میر جی کو
کرتے ہیں پوچ گوئی پی کر شراب کیا کیا

دامن وسیع تھا تو کا ہیکو چشم ترسا
رحمت خدا کی تجھ کو اے ابرِ زور برسا

شاید کباب کرکر کھایا کبوتراں نے
نامہ اڑا پھر ہے اس کو گلی میں پرسا

وحشی مزاج ازبس مانوس باویہ نے
ان کے جنوں میں جنگل اپنا ہوا ہے گھر سا

جس ہاتھ میں رہا کی اس کی کمر ہمیشہ
اس ہاتھ مارنے کا سر پر بندھا ہے کرسا

سب پیچ کی یہ باتیں ہیں شاعروں کی ورنہ
باریک اور نازک موکب ہے اس کمر سا

طرز نگاہ اس کی دل لے گئی سبھوں کے

کیا مومن و بہ ہمن کیا گبراور ترسا
تم واقف طریق بے طاقتی نہیں ہو
یہاں راہ دوقدم ہے اب دور کا سفر سا
کچھ بھی معاش ہے کہ کی ان نے ایک چشمک
جب مدتوں ہمارا جی دیکھنے کو ترسا
ٹک ترک عشق کرے لاغر بہت ہوئے ہم
آدھا نہیں رہا ہ اب قسم رنج فرسا
ستم سے گو یہ ترے کشتہ وفا نہ رہا
رہے جہان میں تو دیر میں رہا نہ رہا
کب اس کا نام لئے غش نا آ گیا مجھکو
دل ستم زدہ کس وقت اس میں جانا رہا
ملانا آنکھ کا ہر دم فریب ھتا دیکھا
پھر ایک دم میں وہ بے دید آشنا نہ رہا
موئے تو ہم پہ دل پر گو خوب خالی کر
ہزار شکر کسو سے ہمیں گلا نہ رہا
ادھر کھلی مری چھاتی ادھر نمک چھڑکا
جراحت اس کو دکھانے کا اب مزانہ رہا
ہواہوں تنگ بہت کوئی دن میں سن کیجو
کہ جی سے ہاتھ اٹھا کروہ اُٹھ گیانہ رہا
ستم کا اس کے بہت میں نزار ہوں ممنون
جگر تمام ہوا خون و دل بجا نہ رہا

اگرچہ رہ گئے تھے استخوان وپوست دلے
لگائی ایسی کہ تسمہ بھی پھر لگا نہ رہا
حمیت اس کے تئیں کہتے ہیں جو میری تھی
گیا جہاں سے پہ تیری گلی میں آنہ رہا
کرتے ہی نہیں ترک تباں بور جفا کا
شاید ہمیں دکھلادین گے دیدار خدا کا
ادھر کھلی مری چھاتی ادھر نمک چھڑکا
جراحت اس کو دکھانے کا اب مزانہ رہا
ہواہوں تنگ بہت کوئی دن میں سن کیجو
کہ جی سے ہاتھ اٹھا کروہ اُٹھ گیانہ رہا
ستم کا اس کے بہت میں نزار ہوں ممنون
جگر تمام ہوا خون و دل بجا نہ رہا
اگرچہ رہ گئے تھے استخوان وپوست دلے
لگائی ایسی کہ تسمہ بھی پھر لگا نہ رہا
حمیت اس کے تئیں کہتے ہیں جو میری تھی
گیا جہاں سے پہ تیری گلی میں آنہ رہا
کرتے ہی نہیں ترک بتاں بور جفاکا
شاید ہمیں دکھلا دیں گے دیدار خدا کا
ہے ابر کا چادر شفقی جوش سے گل کے
میخانے کا ہاں دیکھئے یہ رنگ ہوا کا
بہتری گوجنس کلالوں کے پڑے ہے

کیا ذکر ہے واعظ کے مصلّی درد کا
مرجائے گا بانوں میں کوئی غمزدہ یوں ہی

ہر لحظ نہ ہو ممتحن ارباب وفا کا
تدبیر تھی تسکین کیلئے لوگوں کی ورنہ

معلوم تھا مدت سے ہمیں نفع وفا کا
ہاتھ آئینہ رویوں سے اُٹھا بیٹھیں نہ کیونکر

بالعکس اثر پاتے تھے ہم اپنی دعا کا
آنکھ اس کی نہیں آئینہ کے سامنے ہوتی

حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم وحیا کا
برسوں سے تو یوں ہے کہ گھٹا جب اُمنڈ آئی

تب دیدۂ تر سے بھی ہوا ایک چھڑا کا
آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظروں کی

جس خاک پہ ہوا گا اثر اس کی کف پا کا
تلوار کے سایہ ہی میں کاٹے ہے تو اے میرؔ

کس دل زدہ کو ہوئے ہے یہ ذوق فنا کا
رہتا ہے ہڈیوں سے مزے جو ہمالگا

کچھ درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا
غافل نہ سوز عشق سے رہ پھر کباب ہے

گر لائحہ اس آگ کا ٹک دل کو جالگا
دیکھا ہمیں جہاں وہ تہاں آگ ہوگیا

بھڑ کا رکھا ہے لوگوں نے اس کو لگا، لگا

مہلت تنک بھی ہوتو سخن کچھ اثر کرے
میں اٹھ گیا کہ غیر ترے کانوں آ لگا

اس فتنے کو جگا کے پشیماں ہوئی نسیم
کیا کیا عزیز لوگوں کو اس نے سلا دیا

اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا

جانی نہ قدر اس گہر شب چراغ کی
دل ریزہ خذف کی طرح میں آٹھا دیا

تقصیر جان دینے میں ہم نے کبھو نہ کی
جب تیغ وہ بلند ہوئی سر جھکا دیا

گرمی چراغ کی سی نہیں وہ مزاج میں
اب دل فسردگی سے ہوں جیسے بجھا دیا

وہ آگ ہو رہا ہے خدا جانے غیر نے
میری طرف سے اس کے تئیں کیا لگا دیا

اتنا کہا تھا فرش تری راہ کے ہم ہوں کاش
سو تو نے مار مار کے آ کر بچھا دیا

اب گھٹتے گھٹتے جان میں طاقت نہیں رہی
ٹک لگ چلی صبا کہ دیا سا بڑھا دیا

تنگی لگا ہے کرنے دم اپنا بھی ہر گھڑی
کڑھنے نے دل کے جی کو ہمارے کھپا دیا

کی چشم تو نے باز کہ کھولا درستم

کس مدعی خلق نے تجھ کو جگا دیا
کیا کیا سبان میرؔ نے کھینچے ہیں عشق میں

دیاہاتھ سے دیاہے جدا سرجدادیا
بہتوں کو آگے تھا یہی آزاد عشق کا

جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمار عشق کا
خواہانِ مرگ میں‌ہی ہوا ہوں مگر نیا

جی بیچے ہی ہے خریدار عشق کا
منصور نے جو سرکو کٹایا تو کیا ہوا

ہر سر کہیں ہوا ہے سزادار عشق کا
جاتاوہی سنا ہمہ حسرت جہاں سے

ہوتا ہے جس کسو سے بہت پیار عشق کا
پھر بعد میرے آج تلک سر نہیں بکا

اک عمر سے کساد ہے بزار عشق کا
لگ جاوے دل کہیں‌تو اسے جی میں‌اپنے رکھ

رکھتا نہیں شگوں کچھ اظہار عشق کا
چھوٹا جو مرکے قید عبارات میں پھنسا

القصہ کیارہا ہوگر فتار عشق کا
مشکل ہے عمر کا نٹی تلوار کے تلے

سر میں خیال گو کہ رکھیں یار عشق کا
وہاں رستموں کے دعوی کو دیکھا ہوئے ہیں قطع

پورا جہاں لگا ہے کوئی دار عشق کا!

کھو ہی رہا نہ جان کو نا آزمودہ کار
ہوتا نہ میرؔ کاش طلبگار عشق کا

اب آب چشم ہی ہے ہمارا محیطِ خلق
دریا کو ہم نے کب کا کنارے لگا رکھا

ہر چند اس کی تیغ ستم تھی بلند لیک
وہ طور بد ہمیں تو قیامت بھلا لگا!

مجلس میں اس کی بار نہ مجھ کو ملی کبھو
دروازے ہی سے گرچہ بہت میں رہا لگا

بوسہ لبوں کا مانگتے ہی منہ بگڑ گیا
کیا اتنی میری بات کا تم کو برا لگا

عالم کی سیر میرؔ کی صحبت میں ہوگئی
طالع سے میرے ہاتھ یہ بے دست و پا لگا

خط سے وہ زور صفائے حسن اب کم ہوگیا
چاہِ یوسف تھا ذقن سو چاہِ ستم ہوگیا

سینہ کو بی سنگ سے دل خون ہونے میں رہی
حق بجانب تھا ہمارے سخت ماتم ہوگیا

ایک سا عالم نہیں رہتا ہے اس عالم کے بیچ
اب کہاں کوئی نہیں یہاں ایکعالم ہوگیا

آنکھ کے لڑتے تری آشوت سا برپا ہوا
زلف کے درہم ہوئے اک کمع برہم ہوگیا

اس لب جاں بخش کی حسرت نے تا راجان سے

آب جیوان یمن طالع سے مرے سم ہوگیا
وقت تب تک تھا لو سجدہ مسجدوں میں کفر تھا
فائدہ اب جبکہ قدر محراب ساخم ہوگیا
عشق ان شہری غزلوں کا جنوں کو اب کھینچا
خشت دل بڑھ گئی آرام جاں رم ہوگیا
جی کھینچے جاتے ہیں فرطِ شوق سے آنکھونکی اور
جن نے دیکھا ایک دم اس کوسو بے دم ہوگیا
ہم نے جو کچھ اس سے دیکھا سوخلاف چشم داشت
اپنا عزرائیل وہ جانِ مجسم ہوگیا
کیا کہوں کای طرحیں بدلیں چاہ نے آخر کو میرؔ
تھا گرہ جو درد چھاتی میں سواب غم ہوگیا
کیفی ہوکیوں تو ناز سے پھر گرم رہ ہوا
بوسوں سے صوفوں کا مصلیٰ تو تہ ہوا
معلوم تیرے چہرۂ پر نور کا سالطف
بالغرض آسماں پہ گیا پھول سہ ہوا
پوچھ اس سے درد ہجر کو جس کا بہ ناز کی
جگر سے اپنے عضو کوئی بے جگہ ہوا
ایسافقیر ہونا بھلاکیا ضرور تھا
پوچھااس سے درد ہجر کو جس میرؔ عبث ردیہ ہوا
ہم پلہ اپنا کون ہے اس معرکہ کے بیچ
کس کی تادویارکا تیر نگہ ہوا

مذکور میری سوختگی کا جو چل پڑا
مجلس میں سن سپندیکا یک اچھل پڑا

پہنچے ہے کوئی اس تن نازک کے لطف کو
گل گو چمن میں مامے سے اپنے نکل پڑا

میں جو کہا اک آگ سی سلگے ہے دل کے بیچ
کہنے لگا کہ یوں ہی کوئی دن تو چل پڑا

بل کیوں نہ کھایئے کہ لگا رہے اتبو وہاں
بالوں میں اور بیچ میں پگڑی کے بل پڑا

تھے اختلال اگرچہ مزاجوں میں کب سے ایک
ملنے مین اس پلک کے نہاکت خلل پڑا!

رہتا نہیں ہے آنکھ سے آنسو ترے لیے
دیکھی جو اچھی شے لو تو یہ لڑکا مچل پڑا

سر اس کے پالوں سے نہیں اٹھتے ستم ہے میر
گر خوش غلاف نیچہ اس کا اگل پڑا!

دل فرطاضطراب سے حسیماب ساہوا
چہرہ تمام زور زر تاب ساہوا

شاید جگر گداختہ لخت ہوگیا
کچھ آب دیدہ رات سے خون ناب ساہوا

دے دن گئے کہ اشک سے چھڑ کاؤ کیا
اب رونے لگ گئے ہیں تو تالان ساہوا

اک دن کیا تھا یار نے قد ناز سے بلند

حجلت سے سرد جوے چمن آب ساہوا
لہا ور لویہ روئے کہ اب جوش اشک سے
حلقہ ہماری چشم کا گرداب ساہوا
قصہ تو مختصر تھا دلے طعلی کو کھینچا!
ایجاز دل کے شوق سے اطناب ساہوا
عمارہے موذنِ مسجد کہ بارخرِ
قد تو ترا خمیدہ ہو محراب ساہوا
بات باغ مُں بھی سوتے سے اُٹھکر کبھو کہ گل
تک تک کے راہ دیدہ بے کوخواب ساہوا
سمجھے تھے ہم تو میرؔ عاشق اسی گھڑی
جب سن کے تیرانا موہ بیتاب ساہوا
دیکھ آرسی کو یار ہوا محو ناز کا!
خانہ خعاب ہو تو جیو آئینہ ساز کا
ہوتا ہے کون دست لبرواں غرور سے
کالی ہے اب جواب سلام نیاز کا
ہم تو سمندر ناز کے پامال ہوچکے!
اس کو وہی ہے شوق ابھی ترک ناز کا
ہے کیمیا گرانِ محبت میں قدر خاک
پروقر کچھ نہیں ہے دل بے گداز کا
اس لطف سے نہ غنچہ نرگس کھلا کبھو
کھلنا تو دیکھ اس مژۂ تیم باز کا!

کو تاہ تھا فسانہ جو مرجاتے ہم شتاب
جی پروبال سب ہے یہ عمر دراز کا

مارا نہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو ہزار حیف
کشتہ ہوں یار میں تو ترے امتیاز کا

ملتی ہے یوں پلک کہ گڑی دل میں جائے ہے
انداز دیدلی ہے مرے دل نواز کا

جی رک گئے اے ہمدم دل خون ہو بھر آیا
اب ضبط کریں کب تک منہ تک تو جگر آیا

تھی چشم دم آخر وہ دیکھنے آوے گا
سو آنکھیں میں جی آیا پردہ نہ نظر آیا

بے سدھ پڑے ہیں سارے سجادوں پہ اسلامی
دارو پئے وہ کافر کا ہے کو ادھر آیا

ہر خستہ تر اخواہاں ایک زخم وگرکا تھا
کی مشق ستم تونے پر خون نہ کر آیا

گلبرگ ہی کچھ تنہا پانی نہیں حجلت سے
جنبش سے ترے لب کی یا قوت بھی تر آیا

بالفصل تو ہے قاصد محواس خط وگسیو کا
تک چیتے تو ہم پوچھیں کیا لے کے خبر آیا

تابوں پہ بھی میرے پتھر پڑے لے جاتے
اس نخل میں، ماتم کے کیا خوب ثمر آیا

ہے بطرف اس کے یوں جس کے گیا ہوتو

سچ ایسی تری دیکھی ہم کو بھی خطرہ آیا
کیا کہئے کہ پتھ پڑے لے جاتے
اس نخل میں ماتم کے کیا یار بسر آیا
صنعت گریاں ہم نے کیں سینکڑوں یہاں لیکن
جس سے کھو وہ ملتا ایسا نہ ہنر آیا
درہی کے تئیں تکتے پتھر آ گئیں انکھیں تو
وہ ظالم سنگین دل کب میرؔ کے گھر آیا
یار ہے میر کا مگر گل سا
کہ سحر نالہ کش ہے بلبل سا
یہاں کوئی اپنی جان دود شوار
وہاں وہی ہے سو ہے تساہل سا
دودِ دل کو ہمارے ٹک دیکھو
یہ بھی پُر پیچ اب ہے کامل سا
شوق ان اس کے لمبے بالوں کا
یہاں چلا جائے ہے تسلسل سا
کب تھی جرات رقیب کی اتنی
تم نے بھی کچھ کیا تغافل سا
یک مگہ ایک چشمک ایک سخن
اس میں بھی تم کو ہے تامل سا
بارے ستوں نے ہوشیار ی کی
دے کے کچھ محتسب کا مُنہ جھلسا

شرم آتی ہے پہنچتے ادھر
خط ہوا شوق سے ترسل سا
ٹوٹی زنجیر پائے میرؔ مگر
رات سنتے رہے ہیں ہم غل سا
چمن میں جاکے جو میں گرم وصف یار ہوا
گ اشتیاق سے میرے گلے کا ہار ہوا
تمہارے ترکش مژگاں کی کیا کروں تعریف
جو تیر اس سے چلا سو جگر کے پار ہوا
ہماری خاک پہ اک بیکسی برستی ہے
ادھر سے ابر جب آیا تب اشکبار ہوا
کریں نہ کیونکہ یہ ترکاں بلند پروازی
انھوں کا طائرہ سدرونشین شکار ہوا
کبھو بھی اُس کو تہ دل سے ملئے پایا پھر
فریب تھا وہ کوئی دن جو ہم سے یار ہوا
بہت دنوں سے درد نے میں اضطراب ساتھا
جگر تمام ہوا خون تب قرار ہوا
شکیب میرؔ جو کرتا تو وقر رہ جاتا
اُدھر کو جاکے عبث یہ حبیب خوار ہوا
ایک دلی کو ہزار داغ لگا
اندرونے میں جیسے باغ لگا
اُس سے یوں گل نے رنگ پکڑا ہے

خوب ناندھوں گا گر دماغ لگا
پانوں دامن میں کھینچ لیں گے ہم
ہاتھ گر گوشۂ فراغ لگا
میؔ اس بے نشاں کو پایا جان
کچھ ہمارا اگر سراغ لگا!

تیغ کی اپنی صفت لکھتے جو وہ آ گیا
ہنس کے اس پرچے کو میرے ہی گلے بندھوا گیا
دست و پا گم کرنے سے کھلے اسرار عشق
عیکھ کر کھویا گیا سا مجھ کو ہر ایک پا گیا
داغ محجوبی ہوں اس کا میں کہ میرے روبرو
عکس اپنا آرہی میں دیکھ کر شرما گیا
ہم بشر عاجز ثبات پا ہمارا کس قدر
دیکھ کر اس کو ملک سے بھی نہ یہاں ٹھہرا گیا
بار کے بالوں کا بندھا قہر ہے پگڑی کے ساتھ
ایک عالم دوستاں اس پیچ میں مارا گیا
شب دردو غم سے عرصہ مرے جی پتنگ گیا
آیا دب فراق تھی یا روز جنگ تھا
کثرت میں دردو غم کے نہ نکلی کوئی طپش
کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا
لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذب عشق
جس بیو فا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا

دیکھا ہے صید کہ میں ترے صید کا جگر
باآنکہ چھن رہا تھا یہ ذوق خذنگ تھا

دل سے مرے لگا نہ ترا دل ہزار حیف
یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاق سنگ تھا

مست کر عجب جومیرؔ ترے غم میں مرگیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

دل میں بھرازبسکہ خیال شراب تھا
مانندآئیہ کے مرے گھر میں آب تھا

موجیں کرے ہے بحرِ جہاں میں ابھی تو تو
جانے گا بعد مرگ کہ عالم حباب تھا

اُگتے تھے دست بلبل ودامان گل بہم
صحنِ چمن، نمونہ یوم الحساب تھا

ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اس دم کی حسرتیں
جس دم یہ سوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

دل جو نہ تھا تو رات زکودرگتفی میں میرؔ
کہ انتظار وگاہ مجھے اضطراب تھا

کیا طرح ہے آشنا کاہے گہے ناآشنا
یالو بیگانے ہی رہئے، ہو جئے یا آشنا

پائمالِ مہد جفا ناحق نہ ہوائے عندلیب
سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا

کون سے یہ بحرِ خوبی کو پریساں زلف ہے

آتی ہے آنکھوں میں میرے موجِ دریا آشنا
بلبلیں پائیز میں کہتی تھیں ہوتا کاشکے

ایک مژہ رنگ فراری اس چمن کا آشنا
کوگل ولالہ کہاں سنبل سمن ہم نسترن

خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا
کیا کروں، کس سے کہوں، اتنا ہی بیگانہ ہے یار

سارے عالم میں نہیں پاتے کسی کا آشنا
جس کی میں چاہی سلطنت اُن نے یہ مجھ سے کہا

ہم تو کہتے گرمیاں ہم سے وہ ہوتا آشنا
یوں سُنا جاہے کہ کرتا ہے سفر کا عزم جزم

ساتھ اب بیگانہ وضوں کے ہمارا آشنا
شعر صاحب کا مناست ہے ہماری اور سے

سامنے اس کے بڑھے گر یہ کوئی جاآشنا
عزت اسلام کی کچھ رکھ لی خدانے ورنہ

دلف نے تیری تو زنار بندھا یا ہوتا
گھر کے آگے سے ترے نعش گئی عاشق کی

اپنے دروازے تلک تو بھی تو آیا ہوتا
جو ہے سو بیخودِرفتار ہے تیرا اے شوخ

اس روش سے نہ قدم تو نے جتایاہوتا
دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں

اس عمارت کو ٹک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

دل پہ رکھتاہوں کبھو سر سے کبھو ماروں ہوں
ہاتھ، پانوں کو نہ میں تیرے لگایاہوتا

کم کم اٹھتاوہ نقاب آہ کہ طاقت رہتی
کاش یک بار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا

میرؔ اظہارِ محبت میں گیا جی نہ ترا
ہائے نادان بہت تو نے چھپایاہوتا

ملکِ طالع دیکھ وہ ایدھر کو چل کررہ گیا
رات جوتھی چاند سا گھر سے نکل کر رہ گیا

خواب میں کل پانوں اپنے دوست کے ملتا تھا میں
آنکھ دشمن کی کھل گئی سو ہاتھ مل کررہ گیا

ہم تو تھے سرگرم پابوسی خدا نے خیر کی
بیچہ کل خوش غلاف اس کا اگل کررہ گیا

کیا کہوں بیتابی شب ہے کہ ناچاراس بغیر
دل مرے سینے میں دودوہاتھ اچھل کر رہ گیا

کیا ہمیں کویار کے تیغے نے کھا کر دم لیا
ایسے بہتروں کو یہ اژود نگل کر رہ گیا

دو قدم ساتھ اس جفا جوکے چلاجاتا ہے جی
بُلہوس عیار تھا دیکھا نہ مل کر رہ گیا

آنکھ کچھ اپنی ہی اس کے سامنے ہوتی نہیں
جن نے وہ خونخوار رسج دیکھی دہل کر رہ گیا

ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میرؔ پر

برسوں سے چلتا تھا شاید رات جل کر رہ گیا
طریق خوب ہے آپس میں آشنائی کا
نہ پیش آدیے اگرمرحلہ جدائی کا
ہوا ہے کنج قفس ہی کی بے پری میں خوب
کہ پر کی سال تلک لطف تھا رہائی کا
یہیں ہیں دیر وحرم اب تو یہ حقیقت ہے
دماغ کس کو ہے ہر در کہ جبہ سائی کا
نہ پوچھ مہندی لگانے کی خوبیاں اپنی
جگر ہے خستہ ترے پنجہ حنائی کا
نہیں جہان میں کس طرف گفتگو دیسی
یہ ایک قطرۂ خوں ہے طرف خدائی کا
کسو پہاڑ میں جوں کوہ کن سراب ماریں
خیال ہم کو بھی بخت آزمائی کا
اے تو کہ یاں سے عاقبت کار رجائے گا
غافل نہ رہ کہ قافلہ اک بار جائے گا
موقوف حشر پر ہے سو آتی بھی وہ نہیں
کب درمیاں سے وعدہ دیدار جائے گے
چھوٹا جو میں قفس سے تو سب نے مجھے کہا
بیچارہ کیونکہ تاسر دیوار جائے گا
دیگی نہ چین لذت زخم اس شکار کو
جو کھا کے تیرے ہاتھ کو تلوار جائے گا

آوے گی اک بلا ترے سر سن لے اے صبا
زلفِ سیہ کا اس کے اگر تار جائے گا

باہر نہ آتا چاہ سے یوسفؑ جو جانتا
لے کاروں مرے تئیں بازار جائے گا

تدبیر میرے عشق کی کیا فائدہ طبیب
اب جان ہی کے ساتھ یہ آزار جائے گا

آئے بن اس کے حال ہوا جائے ہے تغیر
کیا حال ہوگا پاس سے جب یار جاے گا

کوچہ میں اس کے رہنے سے باز آ و گرنہ میرؔ
اک دن تجھے وہ جان سے بھی مار جائے گا

کیا کہوں کیسا ستم فلت سے مجھ پر ہوگیا
قافلہ جاتا رہا میں صبح ہوتے سو گیا

بیکسی مدر تلک برسا کی اپنی گور پر
جو ہماری خاک پر سے ہوکے گزرا رو گیا

کچھ خطرناک طریق عشق میں پنہاں نہیں
کھپ گیا وہ رہر واس راہ ہو کر جو گیا

مدعا جو ہے سو وہ پایا نہیں جاتا کہیں
ایک عالم جستجو میں جی کو پانے کھو گیا

میرؔ ہر یک موج میں ہے زلف ہی کا سا دماغ
جب سے ہو دریا پہ آ کر بال اپنے دھو گیا

مت ہو دشمن اے فلک مجھ پائمال راہ کا

خاک افتادہ ہوں میں بھی اک فقیر اللہ کا
سینکڑوں طرحیں نکالیں یار کے آنیکی لیکن
عذر ہی جاہے چلا اس کے دل بدخواہ کا
گر کوئی پیر مغاں مجھ کو کرے تو دیکھیے پھر
میکدہ سارے کا سارا صرف ہے اللہ کا
کاش تیرے غم رسیدوں کو بلاویں حشر میں
ظلم ہے اک خلق پر آشوب ان کی آہ کا
جو سنا ہو شیار اس میخانہ میں تھا بے خبر
شوق ہی باقی رہا ہم کو دل آگاہ کا
بندھنا مت رونے کا تارا اسے ناقباحت فہم حشم
اس سے پایا جائے ہے سر رشتہ فی کا چاہ کا
دیخ مت کر ذکر ہر ساعت قیامت کا کہ ہے
عرصہ محشر نمونہ اس کی بازی گاہ کا
مررہتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا
نکلا ہی نہ جی ورنہ کانٹا سانکل جاتا
پیدا ہے کہ پنہاں تھی آتش نفسی میری
میں ضبط نہ کرتا تو ست شہر یہ چل جاتا
میں گریہ خونی کو رو کے ہی رہا، ورنہ
یک دم میں زمانہ کا یاں رنگ بدل جاتا
بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو
پرسش میں ہماری ہی دن حشر کا ڈھل جاتا

ستارہ جہاں میں تھا، میدانِ محبت میں
واں رستم اگر آتا تو دیکھ کے ٹل جاتا
وہ سیر کا وادی کے مائل نہ ہوا، ورنہ
آنکھوں کو غزالوں کی پانوں تلے مل جاتا

گل کو محبوب ہم قیاس کیا
فرق نکلا بہت جو باس کیا
دل نے ہم کو مثالِ آئینہ
ایک عالم کا روشناس کیا
کچھ نہیں سوجھتا ہمیں اس بن
شوق نے ہم کو بیحواس کیا
عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے
قیس کی آبرو کا پاس کیا!
دور سے چرخ کے نکل نہ سکے
ضعف نے ہم کو مور طاس کیا
صبح تک شمع کو سر کودھن رہی
کیا پتنگے نے التماس کیا!
ایسے وحشی کہاں میں اسے خون
میرؔ کو تم عبث اداس کیا
مفت آبرو ے زاہد علامہ لے گیا
اک مفچہ اتار کے عمامہ لے گیا
داغ فراق وحسرت وصل آرزوے شوق

میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا
پہنچا نہ پہنچا آہ گیا، سو گیا غریب
وہ مرغ نامہ بر جو مرا نامہ لے گیا
اس راہزن کے ڈھنگوں سے دیوی خدا پناہ
اک مرتبہ جو میرؔ جہ کا جامہ لے گیا
دل عشق کا ہمیشہ حریف نسمرو تھا
اب جس جگہ کہ داغ ہے یہاں آگے دور تھا
اک گردارہ تھا پے محمل تمام راہ
کس کا غبار تھا کہ یہ دنبالہ گرد تھا
دل کی شکستگی نے ڈرائے رکھا ہمیں
دل بھی مراجریدۂ عالم میں فرد تھا
تھا پشتہ ریگ بعیہ اک وقت کا رواں
یہ گرد باد کوئی بیاباں نور تھا
گزری مدام اس کی جوانانِ مست میں
پیرِ مغاں بھی فرفہ کوئی پیر مرد تھا
عاشق ہیں ہم تو میرؔ کے بھی ضبط عشق کے
دل چل گیا تھا اور نس لب پہ سرد تھا
گئے قیدی ہو ہم آواز جب صیاد آٹوٹا
یہ ویراں آشیا نے دیکھنے کو ایک میں چھوٹا
مرا رنگ اڑگیا جس وقت سنگِ محتسب آگے
بغل سے گر پرا میناو ساغر چور رہو چھوٹا

مرا وعدہ ہی آ پہنچا ترے آنے کے وعدے تک
ہوا میں موت سے سچار ہا اے شوخ تو جھوٹا

کف جاناں سے کیا امکاں رہائی میر کوئی ہو
اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا

برقع اُ ٹھا تھا رخ سے مرے بدگمان کا
دیکھا تو اور رنگ ہے سارے جہان کا

مت م نیو کہ ہوگا یہ بے درد اہل دیں
گر آوے شیخ پہن کے جامہ قرآن کا

دشمن ہو جی کا گاہک ہوتا ہے جس کو چاہا
کی دوستی کہ یارو اک روگ میں بساہا

جی ہے جہاں قیامت درود الم رہا واں
بیمار عاشقی میں شب صبح تک کراہا

تازہ جھمک تھا شب کو تاروں میں آسماں کے
اس آسیا کو شاید پھر کرکسو نے راہا

خمیازہ کش ہوں اسکی مدت سے اس ادا کا
مگ کر گلے سے میرے انگڑائی بے جماہا

جانا کہ منہ کھلا ہے آتشکدے کا شاید
سینے کے زخم کا جو سرکا ہے ٹک بھی پھاہا

جانا کہ منہ کھلا بیجا نہیں لگیں ہیں
دیکھا ہے جن نے اسکو اسنے مجھے سراہا

میں راہ عشق میں تو آگے ہی دودلا تھا

پر پیچ پیش آیا ان زلفوں کا دور راہا
کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقی میں
پتھر کیا جگر کو تب چاہ کو تباہا
دل دے کے جان میرؔ نے پایان کا روی
یہ سادہ لوح طرح نئی دل لگا گیا!
میں ہوں خاک افردہ جس آزاد کا
عشق بھی اس کا ہے نام اک پیار کا
بیچتا سرکیوں نہ گلیوں میں پھروں!
میں ہوں خواہاں لطف تہ بازار کا
خون کرکے ٹک نہ دل ان نے لیا
کشتہ و مردہ ہوں اس اصرار کا
گھر سے وہ معمار کا جو اٹھ گیا
حال ابتر ہوگیا گھر بار کا
نقل اس کی بیوفائی کی ہے اصل
کب وفاداری ہے درودیوار کا
سر جو دے دے مارتے گھر میں پھر سے
رنگ دیگر ہے درودیوار کا! !
اک گدائے درہے دیلاب بہار
ٹم کشوں کے دیدہ خونبار کا
دلبراں دل جنس ہے گنجائشی
اس میں کچھ نقصان نہیں سرکار کا

عشق کا مارا ہے کیا پنپے گا میرؔ
حال ہے بد حال اس بیمار کا

صنم خانے سے اٹھا کعبے گئے ہم
کوئی اخر ہمارا بھی خدا تھا

بدن میں اس کے ہے ہر جائے دلکش
جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا

کوئی عنقا سے پوچھے نام تیرا
کہاں تھا جبکہ میں رسوا ہوا تھا

چڑھی تیوری چمن میں میر آیا
گل حسن آج شاید کچھ خفا تھا

سوزوروں سے مجھ پہ ستم برملا ہوا
ٹکڑا جگر کا آنکھوں سے نکلا جا ہوا

بد حال ہو کے چاہ میں مرنے کا لطف کیا
دل لگتے جو موا کوئی عاشق بھلا ہوا

نکلا گیا نہ دام سے پر پیچ زلف کے
اسے دائے کیہ بلازدہ دل مبتلا ہوا

کیا اور لکھیئے کسی خجالت مجھے ہوئی
سر کو جھکائے آیا جو قاصد چلا ہوا

رہتا نہیں تڑپنے سے ٹک ہاتھ کے تلے
کیا جانوں میرؔ کو مرے کیا بلا ہوا

بمع اس کے نکلے عالم ہوگیا

جب تلک ہم جائیں اودھم ہوگیا
گو پریشان ہوگئے کیسو سے یار
حال ہی اپنا تو درھم ہوگیا
کیا کہوں کیا طرح بدلی یار نے
چاؤ تھا دل میں سواب غم ہوگیا
کیا کہوں مشکل ہوئی تحریر حال
خط کا کاغذ رونے سے نم ہوگیا
دم دیے بہتیرے یاروں نے دلے
خشک نے سا شیخ بے دم ہوگیا
کیوں نہ درہم برہم اپنا مزاج
بات کہتے یار برہم ہوگیا
باغ جیسے راغ وحشت گاہ ہے
یاں سے شاید گل کا موسم ہوگیا
کیا نماز اے میر اس اوقات کی!
جب کہ قد محراب ساخم ہوگیا
ہو دیکھنے ہمیں ٹک بیماری میں آیا
سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اٹھایا
گلشن کے طاہروں نے کیا بے مروتی کی
یک برگ گل قفس میں ہم تک نہ کوئی لایا
بے ہیچ اس کا غصہ یارو بلائے جاں ہے
ہرگز منا نہ ہم سے بہتیرا ہی منایا

قد بلند اگرچہ بے لطف بھی نہیں ہے
سروچمن میں لیکن انداز وہ نہ پایا

مرنے میں بندرزباں ہونا اشارت ہے، ندیم
یعنی ہے دور کا درپیش سفرمت پوچھو

کیا پھر سے وہ وطن آوارہ گیا اب سو ہی
دل گم کر وہ کی کچھ خیر خبر مت پوچھو

لذت زہر غم فرصت دلدار سے
ہووے منہ میں جنھوں کی شہدوشکرمت پوچھو

دل خراشی و جگر چاکی و سینہ کاوی
اپنے ناحق میں ہیں سب اور ہنر مت پوچھو

جوں توں کر حال دل اکبار تو میں عرض کیا
میرؔ صاحب جی بس اب یارو گرمت پوچھو

اس کی طرز نگاہ مت پوچھو
جی ہی جائے ہے آہ مت پوچھو

کہیں پہنچو گے بے رہی میں بھی
گم رہاں یوں یہ راست مت پوچھو

نوگر فتارِ دامِ زلف اُس کا
ہے یہی روسیاہ مت پوچھو

ہیں گی برگشتہ دے صف مژگاں
پھر گئی ہے سپاہ مت پوچھو

تھا کرم پہ اسی کے شرب مدام

میرے اعمال آہ مت پوچھو
تم بھی اے مالکانِ روزِ جزا
بخش دو اب گناہ مت پوچھو
میرؔ عاشق کو کچھ کہے ہی بنے
خواہ وہ پوچھو خواہ مت پوچھو
محرماں بیدمی کا میری سبب مت پوچھو
ایک دم چھوڑ دویوں ہی مجھے اب مت پوچھو
گریہ شمع کا اے ہم نفساں میں تھا حریف
گزری ہے رات کی صحبت بھی مجب مت پوچھو
سر پر شور سے میرے نہ کرو کوئی سوال
حشر تھی داخل خدام ادب مت پوچھو
لب پہ شیون مژہ خون ونگر میں اک یاس
دن گیا ہجر کا جس ڈھنگ سے شب مت پوچھو
میرؔ صاحب نئی یہ طرز ہوا س کی تو کہوں
موجب آزرو گی کا وجہ غضب موت پوچھو
فرصت نہیں تنک بھی کہیں اضطراب کو
کیا آفت آ گئی مرے اس دل کی تاب کو
میری ہی چشم تر کی کرامات ہے یہ سب
پھرتا تھا ورنہ ابر تو محتاج آب کو
گزری ہے دب خیال میں خوباں کے جاگتے۔
آنکھیں لگا کے ان سے میں ترسوں ہوں خواب کو

خط آ گیا پر اس کا خیال نہ کم ہوا
قاصد مرا خراب پھر سے ہے جواب کو

تیور میں جب سے دیکھے ہیں ساقی خمار کے
پیتا ہوں رکھ کے آنکھوں پہ جامِ شراب کو

اب تو نقاب منہ پہ لے ظالم کہ شب ہوئی
شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو

کہنے سے میرؔ اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اس دلِ خانہ خراب کو

کیا ہے گر بدنامی وحالت تباہی بھی نہ ہو
عشق کیسا جس میں اتنی روسیاہی بھی نہ ہو

لطف کیا آزردہ ہو کر آہ سے ملنے کے بیچ ٹک
تری جانب سے جب تک عذر خواہی بھی نہ ہو

چاہتا ہے جی کہ ہم تو ایک جا تنہا ملیں
نازِ بیجا بھی نہ ہو وے کم نگاہی بھی نہ ہو

مجمع ترکاں ہے کوئی دیکھیو جا کر کہیں
جس کا میں کشتہ ہوں اس میں وہ سپاہی بھی نہ ہو

ناز برداری تری کرتے تھی ایک امید پر
راستی ہم سے نہیں تو کج کلاہی بھی نہ ہو

یہ دعا کی تھی تجھے کن نے کہ پھر قتل میرؔ
محضر خونیں پہ تیرے اک گواہی بھی نہو

اجرت میں نامہ کی ہم دیتے ہیں جاں تلک تو

اب کارِ شوق اپنا پہنچا ہے یہاں تلک تو
آغشہ میرے خوں سے اے کاش جاکے پہنچے
کوئی پر شکستہ ٹک گلستان تلک تو
دماندگی نے مارا اثنائے رہ میں ہم کو
معلوم ہے پہنچنا اب کارواں تلک تو
افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں میں
پہنچوں غبار ہوکر میں آسماں تلک تو
اے کاش خاک میری ہو ہم رہتے کہ میرؔ آمیں
ہوتی ہمیں رسائی اس آستان تلک تو
تاچند انتظار قیامت تتاب ہو
وہ چاند سا جو نکلے تو رفع حجاب ہو
احوال کی خرابی مری پہنچی اس سرے
اس پر بھی وہ کہے ہے ابھی ٹک خواب ہو
یہاں آنکھیں مندتے دیر نہیں لگتی میر یحان
میں کان کھولے رکھتاہوں تیرے شتاب ہو
پھلوں کے عکس سے نہین جوئے چمن میں رنگ
گل بہ چلے ہیں شرم سے اس مہ کی آب ہو
غفلت ہے اپنی عمر سے تم کو ہزار حیف
یہ کارواں جاتے ہیں تم مست خواب ہو
شان تغفل اس کی لکھی ہم سے کب گئی
جب لیویں جام ہاتھ میں تب آفتاب ہو

ہستی پر ایک دم کی تمہیں جوش اس قدر
اس بحر موج خیز میں تم تو حباب ہو

جی جاہتا ہے عیش کریں ایک رات ہم
تو ہو وے چاندنی ہو گلابی شراب ہو

پر پیچ و تاب رودِ دل اپنا ہے جیسے زلف
جب اس طرح سے جل کے درو نا کباب ہو

آگے زبانیار کے خط کھینچے سب نے میرؔ
پہلی جو بات اس کی کہیں تو کتاب ہو

سب سرگزشت سن چکے اب جپکے ہورہو
آخر ہوئی کہانی مری تم بھی سو رہو!

جوشِ محیط عشق میں کیا جی سے گفتگو
اس گوہر گرامی سے اب ہاتھ دھور ہو

فنزق تو ہے پہ یہ بھی تماشے کا رنگ ہے
ٹک انگلیوں کو خون میں میرے ڈبو رہو

اتنا سیاہ خانہ عاشق سے ننگ کیا
کتنے دنون میں آئے ہو ہاں رات تو رہو

ٹھہراؤ تم کو شوخی سے جوں برق ٹک نہیں
ٹھہرے تو ٹھہرے دل بھی مرا نکلے جو رہو

ہم خواب تجھ سے ہو کے رہا جاوے کس طرح
ملتے ہوئے سمجھ کے کہاں کر رہو رہو

خطرہ بہت ہے میرؔ رہ صعب عشق میں

ایسا نہ ہو کہیں کہ دل و دیں کو کھو رہو
لایق نہیں تمہیں کہ ہمیں ناسزا کہو
پر ہے یہی ہمارے کئے کی سزا کہو
چپکے رہے بھی چین نہیں تب کہے ہے یوں
لب بزتہ بیٹھیر ہتے جو ہو مدعا کہو
پیغام برتو یارو تمہیں میں کروں وے
کیا جانوں جا کے حق میں مرے اس سے کیا کہو
اب نیک و بد عشق میں مجھ کو نظر نہیں
اس میں مجھے برا کہو کوئی بھلا کہو
ظالم ہو میری جان پر نا آشنا ہو
بے رحمی اتنی عیب نہیں بے وفا نہ ہو
ہجر بتاں طبع پر آئندہ ہی رہی
کافر بھی اپنے یار سے یارب جدا نہ ہو
کھینچا ہے آدمی نے بہت دور آپ کو
اس پردے میں خیال تو کر ٹک خدا نہ ہو
جی میں تم ہے کہ دیکھئے ادارہ میرؔ کو
لیکن خدا ہی جانے وہ گھر میں ہویا نہ ہو
تدبیر کو مزاج محبت میں دا کرو
جاں کا ہ اس مرض کی نہ کوئی دوا کرو
طفلی سے تم نے لطف و غضب محتاط کیے
ٹک میر کو جدا کرو غصہ جدا کرو

بیٹھے ہو میرؔ ہو کے درکعبہ پر فقیر
اس روسیہ کے باب میں بھی کچھ دعا کرو

تاب مہ کی تاب کب ہے نازکی سے یارکو
چاندنی میں آفتابی کا مگر سایا کرو

گرچہ شانِ کفرارفع ہے دبے اسے راہباں
ایک دوہم سوں کو بھی زنار بندھوایا کرو

شوق سے دیدار کے بھی آنکھوں میں کھنچ آیا جی
اس سمیں دیکھنے ہمکو بہت آیا کرو

کوہ کن کی ہے قدم گاہ آخر اے اہل وفاق
طوف کرنے بے ستون کا بھی کبھی جایا کرو

فرق یارو غیر میں بھی اے تباں کچھ چاہیے
اتنی ہٹ دھرمی بھی کیا انصاف فرمایا کرو

کب میر اس کے منہ کا دیکھنا آتا ہے میرؔ
پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو

کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو
ایسا نہ رو کہ روتے پہ تیرے ہنسی نہ ہو

پایا گیا وہ گوہر نایاب سہل کب
نکلا ہے اسکو ڈھونڈھنے تو پہلے جان کھو

کام اسکے لب سے ہے مجھے نسبت العنب سے کیا
نکلا ہے اس زندگی بھی تو لیجائے مردہ شو

سنتے نہیں کہے جو نہ کہیئے تو دم رے

کچھ پوچھیے نہ قصہ ہمارا ہے گو مگو
شعر ہے بے دماغی پہپر مطلق نہ بولنا
ہم دیں تمیں دعاہمیں تم گالیاں تو دو
کرنا جگر ضرور ہے دل داد گاں کو بھی
وہ بولتا نہیں تو تم آپ ہی سے چھیڑ لو
اے غافلانِ زہر یہ کچھ پراہ کی ہے بات
چلتے کو قافلے ہیں یہاں تم رہے ہوسو
گردش میں جوکوئی ہو رکھے اس سے کیا امید
دن راب آپ ہی چرخ میں ہے آسمان تو
جب دیکھتے ہیں پانوں ہی دابو ہوا اس کے میرؔ
کیوں ہوتے ہو تو ذلیل تم اتنا تومت دبو
رکھومت سر چڑھائے دلبر و نگے گوندھے بانونکو
کھلانا کھیلنا مشکل بہت ہے ایسے کالوں کو
جنوں ہیں اب کی کام آئی نہ کچھ تدبیر بھی آخر
گئی کل ٹوٹ میرے پاؤں کی زنجیر بھی آخر
اگر ساکت ہیں ہم حیرت سے پر ہیں دیکھنے قابل
کہ اک عالم رکھے ہے عالمِ تصویر بھی آخر
یکا یک یوں نہیں ہوتے ہیں پیارے جان کے لاگو
کبھو آدم ہی سے ہوجاتی ہے تقصیر بھی آخر
کلیجہ چھن گیا پر جان بختی کش بدن میں ہے ہوے
اس شوخ کے ترکش کے سارے تیر بھی آخر

نہ دیکھی ایک واشد اپنے دل کی اس گلستان میں
کھلے پائے ہزاروں غنچہ دلگیر بھی آخر

سر دکار آہ کب تک خامہ دکاغذ سے یوں رکھیے
رکھے ہے انتہا حوال کی تحریر بھی آخر

پھر سے ہے باؤلا سا پیچھے ان شہری غزالوں کے
پیاباں مرگ ہوگا اس چلن سے سیر بھی آخر

رہ جاؤں چپ نہ کیونکہ برجی میں مان کر
آؤ بھلا کبھو تو سو جاؤ زبان کر!

کی لطف ھتا کہ میکدے کی پشبِ بام پر
سوتے تھے مست چادر مہتاب تان کر

کہتے ہیں چلتے وقت ملاقات ہے ضروو
جاتے ہیں ہم بھی جان سے ٹک دیکھو آن کر

آیانہ چل کے یہاں تئیں وہ باعثِ حیات
مارا ہے ان نے جان سے ہم کو تو جان کو

ایسے ہی تیز دست ہو خوں ریزی میں تو پھر
رکھو گے تیغ جور کی یک چند میان

یہ بے مروتی کہ نگر کا مضائقہ
اتنا تو میری جان نہ مجھ سے سیان کر

رنگین گورکرنی شہیدوں کو رسم ہے
توہی ہماری خاک پہ خوں کے نشان کر

رکھتا تھا وقت قتل مرا امتیاز ہائے

سو خاک میں ملایا مجھے سب میں سان کر
تم تیغ جو رکھینچ کے کیا سوچ میں گئے

مرنا ہی اپنا جی میں ہم کھڑے نہ مرا امتحان کر

اس گوہر مراد کو پایا نہ ہم میرؔ
پایان کار مر گئے یوں خاک چھان کر

مجھ کو قفس مین سنبل و ریحان کی کیا خبر
کہہ اے نسیم صبح گلستاں کی کیا خبر

ٹک پوچھتے جو آن نکلتا ادھر
اب بعد مرگ قیس بیاباں کی کیا خبر

برباد جائے یہاں کوئی دولت تو کیا عجب
آئی ہے تم کو ملک سلیماں کی کیا خبر

آیا ہے ایک شہر غریباں سے تازہ تو
میرؔ اس جوان حال پریشان کی کیا خبر

اب تنگ ہوں بہت میں مت اور دشمنی کر
لاگو ہو میرے جی کا اتنی ہی دوستی کر

جب تک شگاف تھے کچھ اتنا نہ جی کے تھا
پچھتائے ہم نہایت سینے کے چاکے سی کر

قصہ نہیں سنا کیا یوسف ہی کا جو تو لئے
اب بھائیوں سے چند سے تو گرگ آشتی کر

ناسازی وخشونت جنگل ہی چاہتی ہے
شہروں میں ہم نہ دیکھا بالیدہ ہونے کیکر

کچھ آج اشک خونیں میں نے نہیں چھپائے
رہ رہ گیا ہوں بوسوں لوہو کو اپنے پی کر
کس مردنی کو اس بن بھاتی ہے زندگانی
بُجھی چکا بہت میں اب کیا کروں گا جی کر
حرف غلط کو سن کر درپے نہ خوں کے ہونا
جو کچھ کیا ہے میں نے پہلے اسے سہی کر
دن رات کڑھتے کھڑھتے میں بھی بہت رکا ہوں جو
تجھ سے ہو سکے سو اب تو بھی مت کمی کر
رہتی ہے سو نکوئی رہتا نہیں ہے کوئی
تو بھی جو یہاں رہے تو زنہار مت بدی کر
مہتی جب تلک جوانی رنج و تعب اٹھائے
اب کیا ہے میر جی میں ترک ستمگری کر
بہ گئے عمر ہوئی ابر بہاری کو ولے
لہو سارے ہیں دیدہ خونباز ہنوز
کوئی تو آبلہ پا دشت جنوں سے گزرا
ڈوبا ہی جائے ہے لوہو میں سرخار ہنوز
منتظر قتل کے وعدے کا ہوں اپنے یعنی
جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز
مؔی کھو ضعف میں، میں دیکھ کہا کچھ کہئے
ہے تجھے کوئی گھڑی قوت گفتار ہنوز
ابھی اک دم میں سبان چلنے سے رہجاتی ہے

درو دل کیوں نہیں کرتا تو اظہار ہنوز
آنسو بھر لاکے بہت خرن سے یہ کہنے لگا
کیا کہوں تجھ کو سمجھ اس پہ نہیں یار ہنوز
گداز عاشقی کا میرؔ کے شب ذکر آیا تھا
جو دیکھا شمع مجلس کو تو پانی ہوگئی گھل کر
خداجانے کہ کیا خواہش ہے جی کو
نظر اپنی نہیں ہے مہرو کیں پر
پرافشانی قفس ہی کی بہت ہے
کہ پرواز چمن قابل نہیں پر
جگر میں اپنے باقی روتے روتے
اگرچہ کچھ نہیں اے ہمنشیں پر
کبھو جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو
تو پھر جاتا ہے پانی سب زمیں پر
قدم دشتِ محبت میں نہ رکھ میرؔ
کہ سر جاتا ہے گام اولیں پر
دل دماغ و جگر یہ سب اک بار
کام آئے فراق میں اے یار
کیوں نہ ہو ضعف غالب اعضا پر
مرگئے ہیں فشوں کے سردار
گلِ شپہ مردہ کا نہیں ممنون
ہم اسیروں کا گوشہ دستا

مت نکل گھر سے ہم بھی راضی ہیں
دیکھ لیں گے کبھو سرِ بازار

سینکڑوں حرف یہیں گرہ دل میں
پر کہاں پائیے لب اظہار

سیر کر دشتِ عشق کا گلشن!
غنچے ہو ہو رہے ہیں بیزار!

روز محشر ہے رات ہجراں کی
ایسی ہم زندگی سے ہیں بیزار!

بحث نالہ بھی کیجیو بلبل!
پہلے پیدا تو کر لبِ اظہار

شکر کر داغ دل کا اے غافل
کد کو دیتے ہیں دیدہ بیدار

گو غزل ہوگئی قصیدہ سی
عاشقوں کا ہے طول حرف شعار

ہر سحر لگ چلی تو ہے نسیم
اے سیہ مست ناز ٹک ہشیار

شاخسانے ہزار نکلیں گے
جوگیا اس کی کلف کا اک تار

واجب القتل اس قدر تو ہوں
کہ مجھے دیکھ کر کہے ہے پکار

یہ تو آیا نہ سامنے میرے

لاؤ میری میاں سپر تلوار
آ زیارت کو قبر عاشق پر
اک طرح کا ہے یہاں بھیا جوش بہار
نکلے ہے میری خاک سے نرگس
یعنی اب تک ہے حسرت دیدار
میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار
سہل سی زندگی پہ کام کے تئیں
اپنے اوپر نہ کیجئے دشوار
چار دن کا ہے مجہلہ یہ سب
سب سے رکھئے سلوک ہی ناچار
کوئی ایسا گناہ اور نہیں
یہ کہ کیجے ستم کسی پر شعار
یہی درخواست پاس دل کے ہے
نہیں روزہ نماز کچھ درکار! !
در مسجد پہ حلقہ زن ہو تم
کہ رہو بیٹھ خانہ خمار
جی میں آوے سو کیجیو پیارے
ایک ہونا نہ درپے آزاد
حاصلِ دو جہان ہے اک حرف
ہومری جان آگے تم مختار

لبوں پر ہے ہر لحظ آہِ شرربار
جلا ہی پڑا ہے ہمارا تو گھر بار

ہوئیں کس ستمدیدہ کے پاس یکجا
نگائیں شرر ریز پلکیں جگر بار

کہو کوئی دیکھے اسے سیر کیونکر
کہ ہے اس تن نازک اوپر نظر بار

حلاوت سے اپنی جو آگاہ ہو تو
چیک جائیں باہم دے لعل شکر بار

سبک کے کر دیا دل کی بیطاقتی نے!
نجانا تھا اس کی طرف ہم کو ہر بار

گدھا سالدا پھرتا ہے دیخ ہر سو
کہ جبہ ہے اک باروعمامہ سربار

مرے نخل ماتم پہ ہے سنگ باراں!
نہایت کولایا عجب یہ شجر بار

ہمیں بار اس درپہ کثرت سے کیا ہو
لگا ہی رہے ہے سداوہاں تو دربار

یہ آنکھیں گئی ایسی ہو کر درافشاں
کہ دیکھیے سے آیا ترا برگہربار

کب اس عمر میں آدمی شیخ ہوگا
کتابیں رکھیں ساتھ گو ایک خربار

جہاں میرؔ رہنے کی جگہ نہیں ہے

چلا چاہئے یہاں سے اسباب کربار
غصے سے اُٹھ چلے ہو جودامن کو چھاڑ کر
جاتے رہیں گے ہم بھی گریبان پھاڑ کر
دل وہ نگر نہیں کر پھر آباد ہوسکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اُجاڑ کر
یارب رہ طلب میں کوئی کب تلک پھرے
تسکیں دے کہ بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر
منظور ہو نہ پاس ہمارا توحیف ہے
تنکے کو جو دکھاوے ہے پل میں پہاڑ کر
غالب کہ دیوے قوت دل اس ضعیف سے
کچھ ڈھیر کر چکے ہیں یہ آگے اُکھاڑ کر
اس فن کے پہلوانوں سے کشتی رہی ہے میرؔ
بہتوں کو ہم نے زیر کیاہے پچھاڑ کر
مرتے ہیں تیرے نرگس بیمار دیکھ کر
جاتے ہیں جی سے کس قدر آزاد دیکھ کر
آفسوس دے کہ منتظر اک عمر تک رہے
پھر مرگئے ترے تئیں اک بار دیکھ کر
قصد گرامتحان ہے پیارے
اب تلک نیم جان ہے پیارے
سجدہ کرنے میں سرکیں ہیں جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے

گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے

کام میں قتل کے مرے تن دے
اب تلک مجھ میں جان ہے پیارے

چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
یہ ہمارا نشان ہے پیارے

دکھلیں کیا کیا کیاں ہیں جنگی خاخ
یہ وہی آسمان ہے پیارے

جاچکا دل تو یہ یقینی ہے
کیا اب اس کا بیان ہے پیارے

پر تبسم کے کرنے سے تیرے
کنج لب پر گمان ہے پیارے

میرؔ عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

گل وعدہ گاہ میں سے جوں توں کو ہم کو لائے
ہونٹوں پہ جان آئی پر آہ نہ آئے

زخموں پہ زخم جھیلے داغوں پہ داغ کھائے
یک قطرہ خونِ دل نے کیا کیا ستم اُٹھائے

اس کی طرف کو ہم نے جب نامہ بر چلائے
ان کا نشان نپایا خط راہ میں سے پائے

خوں بستہ جب تلک تھیں دربار کے کھڑے تھے

آنسو گرے کروڑوں پلکوں کے سائے سائے
پر کی بہار میں جو محبوت جلوہ گر تھے
سوگردش فلک نے سب خاک میں ملائے
ہر قلعہ پر چمن پر ٹک گاڑ کر نظر کر
بگڑیں ہزار شکلیں تب پھو یہ بنائے
چھاتی سیرہ ان کی پائیز میں جنھوں نے
خار خس چمن سے ناچار دل لگائے
آگے بھی تجھے تھا یا ان تصویر کا سا عالم
بیدردی فلک نے دے نقش سب مٹائے
مدت ہوئی تھی بیٹھے جوش و خرش دل کو
ٹھو کرنے اس نگر کی آشوب پھر اُٹھائے
اعجاز عشق ہی سے جیتے رہے وگرنہ
کیا حوصلہ کہ جس میں آزاد یہ سہائے
دل گرمیاں انھیں کی غیروں سے جب نہ تب تھیں
مجلس میں جب گئے ہم غیرت نے جی جلائے
جیتے تو میرؔ ہر شب اس طرز عمر گزری
پھر گور پر ہماری بے شمع گو کہ آئے
ترا آنا ہی اب مرکوز ہے ہم کو دم آخر
یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آوئے تن میں یا
آوے
یہ رحم آمدورفت دیار عشق تازہ ہے

ہنسی وہ جائے میری اور رونا یوں چلا آوے
امیری نے چمن سے میرے دل گرمی کو دھوڈالا
سگرنہ برق جا کر آشیاں سیرا جلا آوے
امیدرحم ان سے سخب نافہمی ہے عاشق کی
یہ بت سنگین دلی اپنی نہ چھوڑیں گرخدا آوے
یہ فعشق ہے آوے اسی طینت میں جسکی ہو
یہ دولت خانہ ہے اس کا ہوفب چاہی چلا آوے
برنگ ہوئے غنچہ عمر اک ہی رنگ میں گزرے
میسر میرؔ صاحب گر دل بے مدعا آوے
گوننگ اس کو ادے ہے عاشق کی نام سے
ہے میرؔ کام میرے تئیں اپنے کام سے
درد سفر ہے خوب پئیں جس میں صاف مے
کیا میکشوں کو اول ماہ صیام سے
پڑھتے نہیں نماز جنازہ پہ اس کے میرؔ
دل میں غبار جس کے ہوخاک امام سے
اچنبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوئے
وگرنہ قصہ کہوں اپنا سنتے اس کو خواب آوئے
بھرا ہے دل مرا جام لیا لب کی طرح ساقی گلے
لگ خوب روؤں میں جو مینائے شراب آوائے
بعل پردہ طرفاں ہوں میں یہ موج ہے میری
بیاباں میں اگر روؤں تو شہری میں بھی آب آوئے

لپیٹا ہے دل سوزاں کو اپنے میر نے خط میں
آلہی نامہ بر کو اس کے لیجانے کی تاب آوئے

حصول کام کا دل خواہ یہاں ہوا بھی ہے
سماجت اتنی بھی سب سے کوئی خدا بھی ہے

موئے ہی جاتے ہیں ہم درد عشق یا رو
کسو کے پاس اس آزاد کی دوا بھی ہے

اداسیاں تھیں مری خانقہ میں قابل سیر
صنم کدہ میں تو ٹک آکے دل لگا بھی ہے

یہ کہے کیونکہ خوباں سے کچھ نہیں مطلب
لگے جو پھرتے ہیں ہم کچھ تو مدعا بھی ہے

ترا ہے وہم کہ میں اپنے پیرہن میں ہوں
نگاہ غور سے کر مجھ میں کچھ رہا بھی ہے

جوکھولوں سینہ مجروح تو تمک چھڑک کے
جراحت اس کو دکھانے کا کچھ مزا بھی ہے

کہاں تلک شب وروز آہ درد دل کہئے
ہر ایک بار کو آخر کچھ انتہا بھی ہے

ہوس تو دل میں ہمارے جگہ کرے لیکن
کہیں ہجوم سے اندوہِ غم کی جا بھی ہے

اس گلی کی زمین تفتہ سے
دل جلوں کا سراغ نکلے ہے

شاید اس زلف سے لگی ہے میر

باؤ میں اک دماغ نکلے ہے
ہے خاک جیسے ریگ روان سب نہ آب ہے
دریائے موج خیز جہاں کا سراب ہے
روز شمار میں بھی محاسب ہے گر کوئی
تو لے حساب کچھ نہ کر آخر حساب ہے
اس شہر دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے
کیا جانئے کہ بستی یہ کب کی خراب ہے
منہ پر لئے نقاب تو اے ماہ کیا چھپے
آشوت شہر حسن ترا آفتاب ہے
کس رشک گل کی باغ میں زلف سیہ کھلی
موج ہوا میں آج نپٹ پیچ وتاب ہے
کیا دل مجھے بہشت میں لے جائے گا بھلا
کیا دل بہشت میں لے جائے گا بھلا
جس کے سبب یہ جان پہ میری عذاب ہے
سن کا ن کھول کر کہ تنک چلد آنکھ کھول
غافل یہ زندگانی فساد ہے خواب ہے
رہ آشنائے لطف حقیقت کے بحر کا
ہے رشک زلف وچشم جو موج حباب ہے
آتش ہے سوز سینہ ہمارا مگر کہ میرؔ
نامے سا عاشقوں کے کبوتر کباب ہے
کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم پر ہم تم سے بنائے گئے

چپکے بائیں اٹھائے گئے سر گاڑے دو ہیں آئے گئے

اٹھے نقاب جہاں سے یارب جس سے تکلیف بیچ میں ہے

جب نکلے اس راہ سے ہو کر منہ تم ہم سے چھپائے گئے

خوب تھے وے دن کہ ہم گریے گرفتاروں میں تھے
غمزدوں، اندوہ گیوں، ظلمکے ماروں میں تھے
دشمنی جانی ہے اب تو ہم سے غیروں کیلئے
اک سماں سا ہو گیا وہ بھی کہ ہم یاروں میں تھے
مست تبختر سے گزر قمری ہماری خاک پر
ہم بھی اک سرداں کے ناز برداروں میں تھے
مر گئے لیکن نہ دیکھا تو نے ادھر آنکھ اٹھا
آہ کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے
گرچہ جرم عشق غیروں پر بھی ثابت تھا ولے
قتل کرنا تھا ہمیں ہم ہی گنہگاروں میں تھے
اک ہامژگاں کی صف میں ایک کے ٹکڑے ہوئے
دل جگر جو میرؔ دونوں اپنے غمخواروں میں تھے

جس جگہ دور جسام ہوتا
وہاں یہ عاجز مدام ہوتا ہے
ہم تو اک حرف کے نہیں ممنون
کیساتھ خط و پیام ہوتا ہے

تیغ ناکاموں پر نہ ہر دم کھینچ
اک کرشمہ میں کام ہوتا ہے

پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش
روزان کا بھی شام ہوتا ہے

زخم بن، غم بن اور غصہ بن
اپان کھانا حرام ہوتا ہے

شیخ کی سی ہی مشکل ہے شیطان
جس پہ شب احتلام ہوتا ہے

میرؔ صاحب بھی اس کے ہاں تھی پر
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

کاہیکو یہ ساز تھا اعراض بتاں کا
ظاہر ہے کہ منہ پھر لیا ہم سے خدا نے

ان ہی چمنوں میں کہ جنھوں میں نہیں اب چھاؤں
کن کن روشوں ہم کو پھرایا ہے ہوا نے

کب کب مری عزت کیلئے بیٹھی ہوٹک پاس
آئے بھی جو ہو ہر شام و سحر تیر لگانے

پایا ہے نہ ہم نے دل گم کشتہ کو اپنے
خاک اس کی سرارہ کی کوئی کب تئیں چھانے

کچھ تم کو ہمارے جگروں پر بھی نظر ہے
آئے بھی جو ہو تو مجھے مجلس سے اٹھا نے

مجروح بدن سنگ سے طفلاں ک نہوتے

کم جاتے ہو اس کو چہ میں پر ہم تھے دوانے
آنے میں تعلل ہی کیا عاقبت کار
ہم جی سے گئے پر نہ گئے اس کے بہانے
گلیوں میں بہت ہمتو پریشان سے پھرے ہیں
اوباش کسو روز نگادیں گے ٹھکانے
تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
بے طاقتی دل کو بھی مقدرو ہو اہے
پہنچا نہیں اس سمع مبارک میں مرا حال
یہ قصہ تو اس شہر میں مشہور ہواہے
بیخوابی تری آنکھوں پہ دیکھوں ہوں مگر رات
آفسانہ مرے حال کا مذکور ہواہے
کل صبح ہی مستی میں سرراہ نہ آیا
یہاں آج مرا شیشہ دل چور ہواہے
کیا سوجھے اسے جس کی ہو یوسف ہی نظر میں
یعقوب بجا آنکھوں سے معذور ہواہے
پر سور سے ہے عشق معنی پسراں کے
یہ کاسہ سر کاسہ طنبور ہواہے
تلوار لئے پھرنا تو اب اس کا سنا ہے
نزدیک مرے کب کا یہ سردور ہواہے
خورشید کی محشت میں طپش ہوگی کہاں تک
کیا ساتھ مرے داغوں کے محشور ہواہے

اے رشک سحر بزم میں لے منہ پہ نقاب اب اک
شمع کا چہرہ ہے سو بے نور ہوا ہے

اس شوق کو ٹک دیکھ کہ چشم نگراں ہے
جو زخم جگر کا مرے ناسور ہوا ہے

چل قلم غم کی رقم کو ئی حکایت کیجئے
حرف پہ فریاد نہایت کیجئے

گو کہ سر خاک قدم پر ترے لوٹے اس میں
اپنا شیوہ ہے نہیں یہ کہ شکایت کیجئے

ہم جگر سوختہ کے جی جو آوے تو ابھی
دو دل ہو کے فلک تجھ میں سرایت کیجئے

عشق میں آپ کے گزرے نہ ہماری تو مگر
عوض ج رو جفا ہم پہ عنایت کیجئے

پشیمان تو بہ سے ہوگا عدم میں
کہ غافل چلا شیخ لطف ہوا ہے

نہ رکھی مری خاک بھی اس گلی میں
کدورت مجھے ہے نہایت صبا سے

اگر چشم ہے تو وہی عین حق ہے
تعصب تجھے ہے عجب ماسوا ہے

جگر سوے مژگاں کھنچا جائے ہے کچھ
مگر دیدہ تر ہیں لہو کے پیاسے

طیب سبک عقل ہرگز نہ سمجھا

ہو اورد عشق آہ دونا دوا سے

ٹک اے مدعی چشم انصاف وا کر
کہ بیٹھے ہیں یہ قافیے کس ادا سے
نہ شکوہ شکایت نہ حرف وحکایت
کہو میرؔ جی آج کیوں ہو خفا سے
کبکوں نے تیرہ چال جو دیکھی ٹھٹھک گئے
دل سکنانِ باغ کے تجھ سے اٹک گئے
اندوہ وصل و ہجر نے عالم کھپا دیا
ان دوہی منزلوں میں بہت یار تھک گئے
مطلق اثر نہ اس کے دل ترن میں کیا
ہر چند نالہائے خریں عرش تک گئے
افراط گریہ سے ہوئیں آبادیاں خراب
سیلاب میرے اشک کے اژور بھی لہک گئے
دے میگسار طرف جنھیں خم کشی کے تھے
بھر کر نگاہ تو نے جوکی دو ہیں چھک گئے
چند اے سپر چھاتی ہماری چل کرے
اب داغ کھاتے کھاتے کلیجے تو پک گئے
عشاق پر جودے صف مژگاں پھریں تو میرؔ
جوں اشک کتنے چو گئے کتنے ٹپک گئے
زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے مارے دیکھئے
موندلیں اؤ آنکھیں ادھر سے تم نے پیارے دیکھئے

لختِ دل کب تک الی چشم سے ٹپکا کریں
خاک میں چند ایسے لعل پارے دیکھئے

ہو چکا روز جزااب اے شہیدان وفا
چونکتے ہیں کون خفتہ کب تمہارے دیکھئے

راہ دور عشق میں اب تو رکھا ہم نے قدم
رفتہ رفتہ پیش کیا آتا ہے بارے دیکھئے

سینہ مجروح بھی قابل ہوا ہے سیر کے
ایکدن تو آن کر یہ زخم سارے دیکھئے

ایک خون ہو بہ گیا دوررو تے گئے
دیدہ و دل ہوگئے ہیں سب کنارے دیکھئے

شکست شو کا اس کے پانی جمع ہوکر مہ بنا
اور منہ دھونے کے چھینٹوں سے ستارے دیکھئے

رہ گئے سوتے کے سوتے کارواں جاتارہا
ہم تو میرؔ اس راہ کے خوابیدہ ہیں ہارے دیکھئے

قربان گہ محبت وہ جاہے جس میں ہر سو
دشوار جان دنیا آسان ہورہاہے

ہر شب گلی میں اس کی روتی ہے جوہم تو
اک روز میرؔ صاحب طوفان ہورہاہے

تیری گلی سے جب ہم عزم سفر کریں گے
ہرہر قدم کے اوپر پتھر جگر کریں گے

آزردہ خاطروں سے کیا فائدہ سخن کا

تم حرف سر کروگے ہم گر یہ صبر کریں گے
عذر گناہ خوباں بدتر گنہ سے ہوگا
کرتے ہوئے تلافی بے لطف تر کریں گے
سر جائیگا لیکن آنکھیں ادھر ہی ہونگی
کیا تیری تیغ سے ہم قطع نظر کریں گے
اپنی خبر بھی ہم کو دیر پہنچی ہے
کیا جانے یار اس کو کب تک خبر کریں گے
گر دل کی تاب و طاقت یہ ہے تو ہمنشیں ٹیم
شام غم جدائی کیونکر سحر کریں گے
یہ ظلم بے نہایت دیکھو تو حوبردیاں
کہتے ہیں جو ستم ہے ہم تجھ ہی پر کریں گے
اپنے ہی جی میں آخر انصاف کر کہ کب تک
تو یہ ستم کرے گا ہم درگزر کریں گے
صناع طرفہ ہیں ہم عالم میں ریختے کے
جو میرؔ فی گلے گا تو سب ہنر کریں گے
آنکھیں لڑا لڑا کر کب تک لگا رکھیں گے
اس پر دے ہی خوباں ہم کو سلا رکھیں گے
فکر ذہن میں اس کی کچھ بن نہ آئی آخر
اب یہ خیال ہم بھی دل سے اٹھا رکھیں گے
مشتِ تمک کو میں نے بیکار کم رکھا ہے
چھاتی کے زخم میرے مدت مزار رکھیں گے

سبزاں شہر اکثر درپے ہیں آبرو کے
اب زہر پاس اپنے ہم بھی منگا رکھیں گے

آنکھوں میں دلبروں کی مطلق نہیں مروت
یہ پاس آشنائی منظور کیا رکھیں گے

جیتے ہیں جب تلک ہم آنکھیں بھی لڑتیاں ہیں
دیکھیں تو جور خوبان کب تک روا رکھیں گے

اب چاند بھی لگا ہے تیرے سے جلوے کرنے
شبہائے ماہ چند سے تجھ کو چھپا رکھیں گے

مژگان وچشم و ابروسب ہیں ستم کی مائل
ان آفتوں سے دل ہم کیونکر بچا رکھیں گے

دیوان میرؔ صاحب ہر ایک کی ہے بغل میں
دوچار شعران کے ہم بھی لکھا رکھیں گے

تجھ سے دوچار ہوگا جو کوئی رہ جاتے
پھر عمر چاہئے گی اس کو بحال آتے

گر دل کی بیقراری ہوتی یہی جواب ہے
تو ہم ستم رسیدہ کاہیکو جینے پاتے

گزار خوش نگاہاں جس میں ہے میرا بیاباں ہے
سوادتر مجنون تو چراگاہ غزالاں

کرے ہے خندہ دنداں نما تو میں بھی روؤں گا
چمکتی زور ہے بجلی مقرر آج باراں ہے

چمن پر نوحہ و زاری سے کس گل کا یہ ماتم ہے

جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے
ہر اک مژگاں پہ میرے اشک کے قطری جھمکتے ہیں
تماشا مفت خوباں ہے لب دریا چراغاں ہے
کیا تھا جا بجا رنگین لہو تجھ ہجر میں رو کر
گریباں میرؔ کا دیکھا مگر کلچین کا داماں ہے
اپنا دعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے
پر اس کے جی میں ہ سے کیا جائے کہ کیا ہے
بالیں پہ میری آ کر ٹک دیکھ شوق دیدار
سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آ رہا ہے
بے اس کے رک کے مرتے گرمی عشق میں تو
کرتے ہیں آہ جب تک تب تک ہی کچھ ہوا ہے
شکوہ ہے رونے کا یہ بیگانگی سے تیری
مژگانِ تر و گرنہ آنکھوں میں آشنا ہے
مت کر زمین دل میں تخم امید ضائع
بوٹا جو یہاں اُگائے سو اُگتے ہی جلا ہے
شرمندہ ہوتے ہیں گے خورشید و ماں دونوں
خوبی نے منہ کی تیرے ظالم قراں کیا ہے
اے شمع بزم عاشق روشن ہے یہ کہ تجھ بن
آنھوں میں میری عالم تاریک ہو گیا ہے
جتنے ہی تلک ہیں سارے علاقے سو تم
عاشق ترا مجرو فسارغ ہی ہو چکا ہے

صدسحر دیک رقیمہ خط میرؔ جی کا دیکھا
قاصد نہیں چلا ہے جدو مگر چلا ہے

حرم کو جائیے یاد یر میں بسر کریے
تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کریے

کٹے ہے دیکھئے یوں عمر کب تلک اپنی
کہ سنئے نام ترا اور چشم تر کریے

وہ مست ناز تو مچلا ہے کیا جتائیے حال
جو سنئے نام ترا اورچشم تر کریے

ہوا ہے دن تو جدائی کا سو تعب سے شام
شب فراق کس امید پر سحر کریے

جہاں کا دید سجر ماتم نظار ہ نہیں
کہ دیدنی ہی نہیں جسپہ یہاں نظر کریے

جیون سے جاتے ہیں ناچار آہ کیا کیا لوگ
کبھو تو جانب عشاق بھی گزرکریے

ستم اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اب اس کو
جو دل میں آوے تو ٹک رحم میرؔ پر کریے

عینک کڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے
ایک ایک سخت بات پہ برسوں اڑے رہے

اب کیا کریں نہ صبر ہے دل کو نہ جی میں تاب
کل اس گلی میں آتھ پہر عش پڑے رہے

وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اس کے رو کے تئیں

بلبل سے آج باغ میں جھگڑے بڑے رہے
فراہادوقیس ساتھ کے سب کب کے چل بسے
دیکھیں نباہ کیونکر ہواب ہم چھر ے رہے
کس کے تئیں نصیب گل فاتحہ ہوئے
ہم سے ہزاروں اس کی گلی میں گڑے رہے
برسوں تلک نہ آنکھ ملی ہم سے یار کی
پھر گو کہ ہم بصورت ظاہر اڑے رہے
یونی کہ اپنے عشق کے حیران کار میرؔ
دیوار کے سے نقس دراو پر کھڑ ے رہے
شش جہت سے اس میں ظالم ہوئے خونکی راہ ہے
تیرا کوچہ ہم سے تو کہہ کس کی بسمل گاہ رہے
ایک نبھنے کا نہیں مژ گاں تلک بوچھل ہیں سب
کاروان لخت دل ہر اشک کے ہمراہ ہے
ہم جوانوں کو نچھوڑ ا اس سے سب پکڑی گئے
یہ دو سالہ دختر رزکس قدر شتاہ ہے
پابر ہنہ خاک سر میں موپریشان سینہ چاک
حال میرا دیکھنے آتیرے ہی دلخواہ ہے
اس جنوں پر میرؔ کوئی بھی پھر سے ہے شہر میں
حادہ صحراسے کرسازش جو تجھ سے راہ ہے
مشکل ہے ہونا روکش رخسار کی جھلک کے
ہم تو بشر ہیں اس جاپر چلتے ہیں ملک کے

مرتا ہے کیوں تو ں ناحق یار برادری پر
دنیا کے سارے ناتے ہیں جیتے جی تلک کے

کہتے ہین گور میں بھی ہیشین روز بھاری
جاویں کدھر آلہی مارے ہوئے فلک کے

لاتے نہیں نظر میں غلطانی گہر کو
ہم معتقد ہیں اپنے آنسو ہی کی ڈھلک کے

گل اک مژہ نچوڑ ے طوفان نوحؑ آیا
فکر فشار میں ہوں میرؔ آج ہر پلک کے

تاچند ترے غم میں یوں زار رہا کیجئے
امید عیادت پر بیمار رہا کیجئے

نے اب سے جگر ک دی نے سینہ خراشی
کچھ جی میں یہ آئے ہے بیکار رہا کیجئے

میری پرشس پہ تری طبع اگر آوے گی
صورت حال تجھے آپ ھی نظر آوے گی

محو اس کا نہیں ایسا کہ جو جیتے گا شتاب
اس کے بیخود کی بہت دیر خبر آوے گی

کتنے پشیارمِ چمن کو ہیں سو دل میں ہیں گرہ
کسو دن ہم تئیں بھی باد سحر آوے گی

ابرمت گور غریباں پہ برس غافل آہ
ان دل آزردوں کے جی میں بھی لہر آوے گی

میرؔ میں جیتوں میں آؤں اُسی دن جس دن

دل نہ تڑپے گا مرا چشم نہ بھر آوے گی
کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مرمر کے زندگانی کی
حال بد گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
سب کو جاان ہے یوں تو پر اسے صبر
آتی ہے اک تری جوانی کی
تشنہ لب مرگئے ترے عاشق
نہ ملی ایک بوند پانی کی
بیت بحثی سمجھ کے کر بلبل
دھوم ہے میری خوش زبانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند میرؔ نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی کی

ہے یہ بازار جنوں منڈی ہے دیوانوں کی
یہاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
کیونکر کہیے کہ اثر گریہ مجنوں کو نہ تھا
گردتمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی
یہ بگولہ تو نہیں دشت محبت میں سے
جمع ہو خاک اڑی کتنی پریشانوں کی
خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب
یہی اک رہ گئی بستی مسلمانوں کی

سیل اشکوں سے بہی، صرصر آہوں سے اڑی
مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی ویرانوں کی
سیل اشکوں کیسے کہ اس رہزن ولہاسے اب
یہ پڑی ہے کہ خدا خیر کرے جانوں کی
کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت شمع
کرقدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی
سرگزشتین نہ مری سن کہ اچٹتی ہے نیند
خاصیت یہ ہے مری جان ان افسانوں کی
میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میر
ہونہ لغزش کہیں مجلس ہے یہ بیگانوں کی
آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جانہ تھی
دیوانگی کسو کی بھی زنجیر پانہ تھی
بیگانہ سالگے ہے چمن اب خزاں میں ہائے
ایسی گئی بہار مگر آشنانہ تھی
کب تھا یہ شوع نوحہ تراعشق جب نہ تھا
دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرانہ تھی
ہو اور کوئی ہوگی سحر جب ہوئی قبول
شرمندہ اثر تو ہماری دعا نہ تھی
آگے بھی تیرے عشق سے کھینچی تھی دردو رنج
لیکن کسو کے پاس مناح وفانہ تھی
آئی پری سی پردہ مینا سے جام تک

آنکھوں میں تیری دختر رز کیا حیا نہ تھی
اس وقت کیا ہے مجھے تو چراغ وقف
مخلوق جب جہاں میں نسیم وصبا نہ تھی
پژمردہ اس قدر ہیں کہ ہے شبہہ ہم کو میرؔ
تن میں ہمارے جان کبھو تھی بھی یا نہ تھی
چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی
یار کے تیر جان لیجا بھی
کیوں تری موت آئی، سیگی عزیز
سامنے سے مرے ارے جا بھی
حال کہ چپ رہا تو میں بولا!
کس کا قصہ تھا ہاں کہے جا بھی
کہنے لاگا نہ واہی بک اتنا
کیوں ہوا ہے سڑی ابی جا بھی
میں کہا میرؔ جاں بلب ہے شوخ
تو نے کوئی خبر کو بھیجا بھی!
گرم ہیں شورے تجھ حسن کے بازار کئی
رشک سے ملتے ہیں یوسف کے خریدار کئی
کب تتلک داغ دکھادیگی اسیری مجھ کو
مرگئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی
دے ہی چالا کیاں ہاتھونکی میں جواؤل تھیں
اب گریباں میں مرے رہ گئے ہیں تار کئی

خوف تنہائی نہیں کرتو جہاں سے تو سفر
ہر جگہ راہ عدم میں ملیں گے یار کئی

اضطراب وقلق و ضعف میں کس طور جیوں
جان واحد ہے مری اور ہیں آزار کئی

ہم نشیں کیا کہوں اس رشک مہ تاباں بن
صبح عید اپنی ہے بدتر شب ماتم سے بھی

آخر کار محبت میں نہ نکلا کچھ کام
سینہ چاک و دل پژ مردہ مژہ تم سے بھی

آہ ہر غیر سے تاچند کہوں جی کی بات
عشق کاراز تو کہتے نہں محرم سے بھی

دوری کوچہ میں اے غیرتِ فردوس تری
کام گزراہے مراگریہ آدم سے بھی

ہمت اپنی ہی تھی یہ میرؔ کہ جوں مرغ خیال
اک پرافشانی میں گزرے سر عالم سے بھی

تاب دل صرف جدائی ہوچکی
یعنی طاقت آزمائی ہوچکی

چھوٹتا کب ہے اسیر خوش زباں
جیتے جی اپنی رہائی ہوچکی

آگے ہو مسجد کے نکلے اسکی راہ
شیخ سے اب پارسائی ہوچکی

درمیان ایسا نہیں اب آئینہ

میری اس کی اب صفائی ہوچکی
ایک بوزہ مانگتے لڑنے لگے
اتنے ہی میں آشنائی ہوچکی
بیچ میں ہم اشی ہوں ہوں تو لطف کیا
رحم کراب بے وفائی ہوچکی
آج پر تھا بے رحمیت میرؔ وہاں
کل لڑائی سی لڑائی ہوچکی

اس وعدکی رات وہ آئی جو اُس میں نہ لڑائی ہوئی
آخر اس اوباش نے مارا رہتی نہیں ہے آئی ہوئی
وہ میں اُس بے اُلفت کے گھراہٹ دل ہی کوتو نہیں
سارے حواسوں میں ہے تشتت جان بھی ہے گھبرائی ہوئی
گرچہ نظر ہے پشت پا پر لیکن قہر قیامت ہے
گڑ جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اس کی شرمائی ہوئی

جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار پھرا کیا ہے
مجنوں جو صحرائی ہو اتو لیلی بھی سودائی ہوئی
درودل سوزاں محبت مھو جو ہو تو عرش پہ ہو
یعنی دور بجھے گی جا کر عشق کے آگ لگائی ہوئی
چون کے آغاز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے

اہل نظر سے چھپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی
میرؔ کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنہ رباط سے پیری میں
رقص کناں بازار تک آئے عالم میں رسوائی ہوئی
موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے ہرے۔
پودھے چمن میں پھولوں سے دیکھے بھرے بھرے
آگے کسو کے کیا کریں دست طمع دراز
وہ ہاتھ سوگیا ہے سرہانے دھرے دھرے
کیا مجھے اس کے ربہ عالی کو اہل خاک
پھرتے ہیں جوں سپہر بہت ہم درے درے
مرتا تھا میں تو بازرکھامرنے سے مجھے
یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے ہے ارے ارے
گلشن میں آگ لگ رہی تھی رنگ گل سے میرؔ
بلبل پکاری دیکھ کے صاحب پرے پرے
ہماری تیرے موت ہی دوستداری ہے
ہزار سابقوں سے سابق ایک یار ی ہے
گئی وہ نوبت مجنون کہ نام باجے تھا
ہمارا شور جنوں اب ہے اپنی باری ہے
گریں تو جاگے گدایانہ اس طرف آواز
اگر صدا کوئی پہچانے شرمساری ہے
مسافرانِ رہ عشق ہیں شکیب سے چپ
وگرنہ حال ہمارا تو اضطراری ہے

خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کے طاقت کی
نگاہِ چشم ادھر تو نے کی قیامت کی

انھوں میں جو کہ ترے محو سجدہ رہتے ہیں
نہیں ہے قدر ہزاروں برز کی طاعت کی

اٹھائی ننگ سمجھ تم نے بار کے کہتے
وفاو مہر جو تھی رسم ایک مدت کی

رکھیں امید رہائی اسیر کا کل وزلف
مری تو ناتیں ہیں زنجیر صرف الفت کی

رہے ہیے کوئی خرابات چھوڑ مسجد میں
ہوا منائی اگر شیخ نے کرامت کی

سوال میں ن جو انجام زندگی سے کیا
قدِ خمیدہ نے سوے زمیں اشارت کا

نہ میری قدر کی اُس سنگ دل نے میرؔ کبھو
ہزار حیف کہ پتھر سے میں محبت کی

فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی
ہے سزا تجھ پہ یہ گستاخ نظر کرنے کی

کہہ حدیث آنے کی اُس کے جو کیا شادی مرگ
نامہ بر کیا چلی تھی ہم کو خبر کرنے کیا!

کیا جلی جاتی ہے خوبی ہی میں اپنی اے شمع
کہہ پتنگے کی بھی کچھ شام وسحر کرنے کی

ابکی برسات ہی کی ذمہ تھا عالم کا وبال

میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی
پھول کچھ لیتے نہ نکلے تھے دل صد پارہ
طرز سیکھی ہے مرے ٹکڑے جگر کرنے کی
ان سنوں نکلے ہے آغشتہ بخوں راتوں کو
وحسن ہے نالہ کو کسو دل میں اثر کرنے کی
عشق میں تیر گیزرتی نہیں سر ٹپکے
صورت اک یہ رہی ہے عمر بسر کرنے کی
کاروانی ہے جہاں عمر عزیز اپنی میرؔ
رہ ہے درپیش سدا اسکو سفر کرنیکی
خرابی کچھ نہ پوچھو ملکت دل کی عمارت کی
غموں نے آجکل سنیودہ آبادی سی غارت کی
سحر کہ میں نے پوچھا گل سے حال زار بلبل کا
پڑے تھے باغ میں یک مشت پر ادھر اشارت کی
نزاکت کیا کہوں کورشیدرو کی گل شب مہ میں
گیا تھا سایہ سایہ باغ تک تس پر حرارت کی
ترے کوچے کے شوق طوف میں جیسے بگولا تھا
بیاباں مین غبار میرؔ کی ہم نے زیارت کی
میں نے جو بیکسار مجلس میں جان کھوئی
سرپر مرے کھڑی ہو شب شمع زور روئی
آتی ہے شمع شب کو آگے ترے یہ کہکر
منہ کی گی جو لوئی تو کیاکرے گا کوئی

بیطاقتی سے آگے کچھ پوچھتا بھی تھا سو
رونے نے ہر گھڑی کے وہ بات ہی ڈبوئی

بلبل کی بیکلی نے شب بے دماغ رکھا
سونے دیا نہ ہم کو ظالم نہ اپ سوئی

اس ظلم پیشہ کی یہ رسم قدیم ہے گی
غیروں پہ مہربانی یاروں سے کینہ جوئی

نوبت جو ہم سے گاہے آتی ہے گفتگو کی
منہ میں سہاں نہیں ہے اس بد زبانکی گوئی

اس مہ کے جلوہ سے کچھ تامیرؔ یاد دیوے
اب کی گھروں میں ہم نے سب چاندنی ہے بوئی

الم سے یہاں تئیں مشق ناتوانی کی!
کہ میری جان نے تن پر مرے گرانی کی

چمن کا نام سنا تھا دلے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

ملائی خوب مری خون میں خاک بسمل گاہ
یہ تھوڑی منتیں ہیں مجھ اس گئی جوانی کی

چلا ہے کھینچنے تصویر میرے بت کی آج
خدا کے واسطے صورت تو دیکھو مانی کی

تری گلی کے ہر اک سگ نے استخواں توڑے
ہماری لاش کی شب خوب پاسبانی کی

رکھے ہیں میرؔ تری منہ سے بیوفا خاطر

تری جفا کے تغافل کی بد گمانی کی
لاعلا جی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی
کیجئے کیا میرؔ صاحب بندگی بیچارگی
کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوگیا یکبار گی
پروئے گل پر روز و شب کس شوق سے رہتا ہے بار
رخنہ دیوار ہے یادیدہ فطارگی

www.Iqbalcyberlibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

نعت سرورِ کائنات صلعم

جرم کی کھو شرم گینی یار رسول!
اور خاطر کی حزینی یارسول
کھینچوں ہوں تقصان دینی یا رسول
تیری رحمت ہے یقینی یارسول
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسول
لطف تیرا عام ہے کرمرحمت
ہے کرم سے تیرے چشم مکرمت
مجرم عاجز ہوں کر ٹک تقویت
تو ہے صاحب تجھ سے ہے یہ مسئلت
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسول
کیا سیہ کاری نے منہ کالا کیا
بات کرنے کا نہیں کچھ منہ رہا
رحم کر، خاکِ مزلت سے اُٹھا
میرے عفوِ جرم کی تخصیص کیا
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
اب ٹھہر تا ٹک نہیں پائے ثبات
دست گیری کر کہ پاؤں میں بخات
جرم کیا ہیں، میری کتنی مشکلات
ہے کفایت ایک تیری التفات
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
دبر زیر سایہ لطف عمیم
خلق سب وابستہ خلقِ عظیم
تجھ سے جو یائے کرم عاصم اثیم
سخت حاجت مند ہیں ہم، تو کریم
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
ہورے ہیں ہم جویائے کرم کے حطب
سر پہ یہ اعمال لائے ہیں غضب
رکھتے ہیں چشم عنایت تجھ سے سب
تجھ سوا کس سے کہیں احوال اب
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
نیک و بد تیرے ثنا خوان ہم
لطف تیرا آرزو بخش امم
ملتفت ہو تو تو کاہے کا ہے غم
تو رحیم اور مستحق رحم ہم
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
روؤں ہوں شرم گنہ سے زار زار
بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آکر اضطرار
زیرلب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
سبز برپا ہوگا جب تیرا نشاں
آفتاب حشر میں بہر اماں!
ہووے گی انواع خلقت جمع واں
کیوں نہ ہو سائے میں اُس کے دوجہاں
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
روسیاہی جرم سے ہے لیش تر
روسفیدوں میں خجل مجھ کو نہ کر
ایک کیا آنکھیں میں میری بھی ادھر
تجھ سے راجی بے بصر اہل نظر
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
کچھ بھی جو ہیں واقف و نیاز
عام تجھ انعام پر کر چشم باز
شعر یہ مشہور سب دے دل گداز
پڑھتے یہں جاے دعابعد از نماز
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں
کہ قرآں خواں تو میر تھے کہ سمجھ خواں
وقت یکساں تو نہیں اے دوستاں
اب یہی ہے ہر زماں درد زباں
رحمت اللعالمینی یا رسول! !

ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

منقبت

ہادی علی، رفیق علی، رہنما علی
باور علی، محمد علی، آشنا علی
مرشد علی، کفیل علی ، پیشوا علی
مقصد علی، مراد علی، مدعا علی
جو کچھ کہو سو اپنے تو ہاں مرتضٰی علی

نور یقین علی سے ہمیں اقتباس ہے
ایمان کی، علی کی ولا پر اساس ہے
یوم التناد میں بھی علی ہی کی آس ہے
بے گاہ وگاہ ناد علی اپنے پاس ہے
قبلہ علی، امام علی مقتدا علی

دیوانگان شوق کا مت پوچھو معتقد اعلی
فہم اس کا تب ہو روح قدس جب کرے مدد
ظاہر اس ایک شان سے شانیں ہیں لاتعداد
کہہ احمد اس کو کہتے ہیں گاہے اسے احد
شایان حمد و قابل صل علیٰ علی

نے شہ سے کچھ غرض ہمیں نے وزیر سے
نے اعتقاد شیخ سے، نے کچھ فقیر سے
رکھتے نہیں ہیں کام صغیر و کبیر سے
ہے لاگ اپنے جی کو اسی اک امیر سے

مولا علی ، وکیل علی ، پادشا علی
پہنچے ہے تیرے ہاتھ تلک کب کسو کا دست

کیا سمجھے شیخ حال کو فطرت ہے اس کی پست
ہوں جوں نصیری ساقی کوثر کا محو دمست

مسکن علی نگر ہے مرا میں علی پرست
پیغمبر اس جگہ کا علی ہے، خدا علی

شیوہ اگرچہ اپنا نہ یہ وعظ و پند ہے
پر اس کو سن رکھ اے کہ تو کچھ دردمند ہے

کیا ہے جو عرصہ تنگ ہوا، کام بند ہے
دل جمع کر کہ ہمت مولیٰ بلند ہے

یعنی کرم شعار ہے، مشکل کشا علی
اپنی بساط تو ہے علی، ہے وہی علیم

کس طور جیتے رہتے نہ ہوتا جو ہو کریم
دیکھیں ہیں اس کی اور جو ہم بوتے ہیں سقیم

یاں کا وہی ہے شافی وکافی، وہی حکیم
عارض ہو کوئی درد ہمیں، بے دوا علی

ہے دوستی علی کی، تمنائے کائنات
بے لطف آس بغیر ہے اپس کیا موت، کیا حیات

یعنی کہ ذات پاک ہے اس کی خدا کی ذات
کیا ان موالیوں کے تئیں غم نجات

مرتے ہوئے جنھوں کے دلوں میں زباں علی

یہ کس طرح سے راز کہوں میں زبان سے!
حالات اس روش کے پرے میں بیان سے
یک شب بنی جو نکلے زمان و مکان اسے
ذات مبارت آئی نظر اور شان سے
تھا بزمِ لامکاں میں بھی رونق فزا علی
خواہش مدد کی غیر سے، ہے یہ خیال خام
کرتا ہے کب قبول اسے، عاقلِ تمام
کافی ہے دوجہان میں مولیٰ کا میرے نام
لاریب اس پہ آتش دوزخ ہوئی حرام
یک بار بھی زبان سے جن نے کہا علی
سرتاقدم ثبات دل و جمعگی ادب
صورت پکڑ کے شامنے آیا تھا لطف رب
ظآہر ہوئے ظہور جہاں میں عجب عجب
محراب میں نہ گرم بکا تھا کدام شب
ہنستا رہا نہ کون سے روز عزا علی
عنر کو نار خشم نے اس کی جلادیا
اژدر کو چیر ایک بھی دم میں کھپادیا
خورشید کو نکال دوبارہ دکھادیا!
ہنگامہ کفر وشرک کا آکر مٹادیا
تھا جانشین ختم رسل کا بجا علی
گوچشم دل کھلے نہ کسی روسیاہ کی

آس تک محلا کب ہے کسو کی نگاہ کی
اللہ رے بلندی تری قدر وجاہ کی!

مرمر کے جبرئیل نے درباں سے راہ کی
شاہا، ملک سپاہ، جہانِ صفا علی

دشمن کو آ گہی ہے کما ینبغی کہاں
قدرت سے اُس کی قدرتِ حق ہوتی ہے عیاں

زور آور ی مزاج میں آوے تو الاماں
کچھ بھی نہیں ہے پھر یہ جوسب کچھ ہے درمیاں

ارض وسمار کے دیو سے قلابے ملا علی
دی تیغ ایسی کس کو کہ جیسی ہو ذوالفقار

مرکب کہاں ہیں اس کے سے ویسے کہاں سواء
گزرے ہیں گرچہ مروم خوب آگے بھی ہزار

پر یہ شرف خدا کی طرف سے ہے یہ وقار
خلقت تو دیکھ کعبے میں پیدا ہواعلی

تھی حق کے ہاں سے احمد مرسل کو سروری
کہتی تھی ساری خلق خدا کی اسے دلی

نسبت بغیر ہوتے ہیں بے اتحاد بھی
لطف و سخاد ہمت و علم وحیا بنی

جو دوعطا وجرات و مہر و وفا علی
نزدیک سب کے اس کو ہے درجہ قبول کا

اک عندیہ ہے سید و شیخ و مغول کا

کب معتبر ہے حرف کسو بو الفضول کا
باطن علی ہے ظاہر خوبِ رسول کا
خاک اُس کے فرق پر جو کے تھا جدا علی
ہر فرد کی زباں پہ علی کی ہے گفت گو
ہر شخص کے تئیں ہے علی ہی کی جستجو
عالمکو ہے علی کو تولا سے آرزو
اپنا ہی کچھ علی کی طرف کو نہیں سے رو
مقصود خلق و مطلب ارض و سا علی
اک شوق ہے علی کا مرے قلب میں نہاں
شاہد یہی نجات کا باعث بھی ہو وہاں
اب زیرلب ہے زلیت میں جو میر ہر زباں
اس وقت میں کہ جان ہو یک دم کی مہماں
امید ہے کہ یوں لبوں پر ہو یا علی

مرثیہ

بھائی، بھتیجے، خویش و پسر یادر اور یار
جاویں گے مارے آنکھوں کے آگے سب ایک بار
ناچار اپنے مرنے کا ہوگا امیدوار
ہے آج رات اور یہ مہمان روزگار
فرداحسین می شوع ازدہر امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

یک دم کہ تیر ہستی میں ہوجائے گا غضب
سادات مارے جائیں گے دریاپہ تشنہ لب
برسوں فلک کے رونے کا پھر یہی سبب
مت آ، عدم سے عالم ہستی میں زینہار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

ماریں گے تیر شام کے نامردسارے لوگ
دیویں گے ساتھ اس کا جنھوں نے لیا ہے جوگ
تاحشر خلق پہنے رہیں گے لباس سوگ
ہوگا جہاں جوان سیہ پوش سوگوار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

اکبر مرے، جہان سے قاسم بھی جائے گا

عباس دل جہان سے اپنا اٹھائے گا
اصغر بغل میں باپ کی اک تیر کھائے گا
شائستہ ایسے تیر کا وہ طفلِ شیر خوار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
اے کاش کوئی روز شب تیغ اب رہے
تااور بھی جہاں میں عالی نسب رہے
لیکن عزیز جس مریں سب وہ کب رہے
بے چارہ، سینہ وبے یارو بے دیقر
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
ذات مقدس ابن علی کی ہے مغتنم
اک دم ہیں اس کے ہوویں الہٰی ہزار دم
کیا شب رہےتو ہووے ہے ایام ہی میں کم
آتا ہے کون عالمِ خاکی میں باربار! !
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
کاکل تیرے فتنے میں ہر اک شکن کے ساتھ
ہنگامہ لگ رہا ہے ترے دم زون کے ساتھ
رہ کوئی دن عدم ہی میں رنج ومحسن کے ساتھ
یہ بات دونوں جمع میں رکھتی ہیں اشتہار

فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

جلوے میں تیرے سینکڑوں جلووں کی ہے فنا
یعنی سحر پر آنا قیامت کا ہے رہا!

دن ہوگیا کہ سبط بنی مرنے کو چلا
ساتھ اپنے دے چکا ہے تلف ہونے کا قرار

فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

آب فرات پر تو نہ شب دن ہو کبھی
خوں ریز ورنہ ہونے لگے گا بم ابھی

سیدتڑپ کے پیاس سے مرجائیں گے سبھی
پیغمبر خدا ہی کا پرسر دہ کنار

فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

دن شب کو کس امید کے اوپر کرے بھلا
جو جانتاہو یہ کہ ستم ہوگابرملا

نکلے گی تیغ جور، کئے گا مراگلا
اے وائے دل میں اپنے لیے حسرتیں ہزار

فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

ایسا نہ ہوکہیں کہ نکل آوے آفتاب

وہ جو غیور مرنے میں اپنے کرے شتاب
دے بیٹھے سر کو معرکے میں کھا کے پیچ و تاب
ترخوں میں دونوں کیسوؤں سر پر پڑے غبار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

جس دم خط شعاعی ہوئے رونق زمین
افگار ہو کے نیزۂ خطی سے وہ حسیں
ہوویں گے جمع پیادے سوار آن کر وہیں
ہوگا جدا ہو گھوڑے سے مجروح بے شمار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

بوہوجیں کے زخم سے جاوے گا کرکے جوش
فرق مبارک اس کے میں مطلق نہ ہوگاہوش
سجدے میں ہو رہے گا جھکا سر کے تئیں خموش
آنے کا اپنے آپ میں کھینچے گا انتظار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

خورشید کی بلند نہ ہو تیغ خون فشاں!
ہے درمیاں بنی کے نواسے کا پائے جاں
ایسا اگر ہوا تو قیامت ہوئی عیاں
وہ حلقِ تشنہ ہوگا تہ تیغ آب وار

فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
روشن ہوا جو روز تو اندھیر ہے نداں
میدان میں صاف کھڑا دے چکے گاجان
ناموس کی پھر اسکے نہ عزت ہے کچھ نہ شان
اک شش جہت سے ہوگی بلا آن کر دوچار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
پھر بعد قتل اس غضب ایک ہے یہ اور
بختی چرخ راہ چلے گا انہوں کے طور
شیوہ جفا، شعار ستم، طرز جن کی جور
عابد کے دست بستہ میں دی جائے گی مہار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
مردان اہل بیت جوہوں گے مریں گے سب
اس کے اناث بیت کو غارت کریں گے سب
ناموس لوگ ہیں سو دکھ سہیں گے سب
ان قیدیوں کے لوہومیں ہووے گی رہ گزار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
خورشید ساسراس کا سناں پر چڑھیں گے

عالم میں دن وہی ہے سیہ کر دکھائیں گے
بیٹے کے تئیں سوا ء پیادہ چلائیں گے
ہوگا عناں دل پہ نہ کچھ اس کا اختیار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
پیکر میں ایک کشتہ کے ہوگی نہ نیم جان
خیل وحشم کا اس کے نہ پاویں گے کچھ نشاں
شوکت کہں، سر اس کا کہاں، جاہ وہ کہاں
یہ جائے اعتبار ہے کیا یاں کا اعتبار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
صآحب موسے، اسیر ہوئے، شام جائیں گے
سوکر جھکائے شرم سے ہرگام جائیں گے
ناچار رنج ناکام جائیں گے
لطف خدائے عزوجل کے امیدوار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
لازم ہے خون چکاں روشن گفتگو سے شرم
کراس نمود کرنے کی ٹک آرزو سے شرم
تجھ کو مگر نہیں محمد کے روسے شرم
بے خانماں، بے دل و بے خویش بے تباہ

فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
راہ رضا میں عاقبت کار سرگیا!
ایسی گھڑی چلا کر مدینے نہ پھر گیا
جوں آفتاب جانب شام آکے گھر گیا
خاطر شکستہ، غم زدہ، آزردہ، دل نگار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید
آثار دکھ کے ہیں درد دیوار سے عیاں
چھایاہے غم زمین سے لے تانہ آسماں
کچھ میر ہی کے چہرے پہ آنسو نہیں رواں
آیاہے ابر شام سے روتاہے زار زار
فرداحسین می شوداز دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

قصیدہ در مدح نواب آصف الدولہ بہادر

ہوا کیے ہیں زبس شکوۂ فلک تحریر
سہ ہے کاغز شقی کے زنگ لوح ضمیر
کروں نہ شکر جفا ہائے آسماں کیوں کر
مری خرابی میں ان نے نہ کی کبھو تقصیر
دیا ہزاروں کو دست ان نے خانہ سازی کا
دل شکستہ کو میرے کیا نہ ٹک تعمیر
جو میں نے چاہا کہ جلد اپنا کام کریے تمام
تو روسیاہ نے اس کا م میں بھی کی تاخیر
سیا تھا چشم طمع کو میں اک سحر اس پر
سو جام خون دیا ان نے جائے کلمہ شیر
دماغ رفتہ شگفتن سے آشنا نہ ہوا
کہ اس چمن میں رکھا ان نے غنچہ سادل گیر
درقبول سے نامید پھنچی میری دعا
پھر ایا عرش نے نالے کو میرے بے تاثیر
نہ دیکھا صفحہ عالم کو میں کہ ان نے رکھا
ہمیشہ اپنا ہی حیران کار جوں تصویر
برائے یک لب ناں مجھ ضعیف کوان نے
ہلال وار کیا ساریشہر میں تشہیر
فلک کے شکوے میں تھا میں کہ ہم نشیں بولا

کہ اے جوان ستم کشتہ سپہر پیر
غزل نہ لطف کی اک تو نے میرؔ صاحب کی
سنی نہ ہم نے کوئی آشیانہ سوز صفیر
یہ سن کے فکر نے کی مطلع غزل کی فکر
فلک نے صفحہ کاغذ پہ جو کیا تحریر

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مطلعِ ثانی

ہماری یار سے صحبت ہو کس طرح درگیر
گرہ میں نالۂ آتش فشاں سو بے تاثیر

سمجھ کے زلف کوچے میں پاؤں رکھیو نسیم
کہ نکلی ہے یہیں سے راہ خانہ زنجیر

ہزار قافلے یوں مصر سے چلے لیکن!
کیا نہ ایک نے کنعاں کی سمت کو شب گیر

کھلا نہ منہ پہ ہمارے کہ ہے زباں پر آہ
بہ رنگ خامۂ شنجرف خوں چکاں تقریر

جگر ہے رشک کی جا اس شکار کا تیرے
کہ صیدگاہ میں پہلے ہی آ گیا سر تیر

جہاں میں اہل جہاں کو ہوئش مکش بن گیا
کہ ایک تنگ قفس اور جس میں اتنے اسیر

سفر ہے دور کا درپیش آ ٹک آئنہ رو
کہ زاد راہ عدم ہو نگاہ وقت اخیر

نہیں تو دیر محبت کی رسم سے آگاہ
کرے میں کعبے کا سکاں کی بھی یاں تکفیر

تما م نالہ ہوں اس بن مگر کہ روزِ نخست
کیا تھا تن کا مرے سودۂ جگر سے خمیر

غزل کو سن کے کہا ہم نشین نے تجھ سا شخص

بجا ہو خاک ہو کر پیشِ آستانِ وزیر
آستانہ کو گویا ہے راستوں کی جبیں
کرے ہے سجدہ جیسے آن کر صغیر و کبیر
شرف ہے جس سے یہ اس آستاں کو کیسا ہے
وزیر کہے کہ فرماں رواہ کوئی امیر
غرض حلیس سے شب کو کہ غم شریک جو تھا
یہ سن کے اے گنہ آمرز اور عذر پذیر

www.Nayaab.Net انٹرنیٹ ایڈیشن سال 2006

مطلعِ ثالث

خلل پذیر ہوا ہے دماغ خانہ میر
کہ تیری مدح میں کھولا زبان کو کر تقصیر

تما قدرت و آصف صفت، سلیماں جاہ
سوار دولت و گنجینہ بخش و دشمن گیر

فلک شکوہ، ستارہ چشم، خدیو جہاں
ترے جلال کو کن لفظوں میں کروں تعبیر

زہے یہ حشت و جاہ جلال و قدرت و زور
کہ تیرے حکم کے آگے ہے امر خطیر

ترے محرر دفتر کا ہے سد ا محتاج
جہاں میں شہرہ عطار د جو ہے فلک کا دبیر

زہے علوے مراتب کہ در پہ بار نہ پائے
ہزار باز اگر چرخ مارے چرخ اشیر

شریک مشورۂ کا رخانہ، عالم
کیا ہے تجھ کو، قضا و قدر ہیں تیرے مشیر

رواں ہو صبح کا گر مرکب ظفر پیکر
تو تا بہ شام کرے روم وشام تک تسخیر

کف سخا کی تری ریز ش کرم کے حضور
گیا ہے قطرہ زباں شرمگیں ہوابر مطیر

ہم کو تیری بیان کیا کروں کہ اے مملوح

سوے ہیں خلق ترے بخشنے کو تاج و سریر
کروں میں عرض سو کیا، ہفت گنج خسرو کو
کہ تیرے بخش دیے کے نہیں ہیں عشر عشیر
لکھوں سو کیا ترے خدام کی سخاوت کو
نہ پاوے وقت دوش رتبہ قلیل و کثیر
ثبات حرف کو تیرے قلم کی کیا لکھے
کہے تو خامۂ فولاد سے کیا تحریر
برات روزی کسو کی، شرف کو دستخط کے
پہنچتی ہے تو نہیں مفتی جوں خط تقدیر
نہیں ہے تو شہر مین نام و نشاں
ربی ہے نے کوئی جنگل میں سو برائے حصیر
مزاج رفع پہ بدعت کے ہو تو پھر نہ اُٹھے
صدائے نے کا تو کیا ذکر ہے، قلم کی صریر
نسق کو کام تو کیا ذکر، قلم آن اگر
تو پھیر زمانہ قیامت تلک نہ پاوے تغیر
گیا ہے شور ترے عدل کا جو گردوں تک
کتاں سے آنکھ چھپکتا رہے ہے بدر منیر
بغیر شزہ خوباں، رہا نہیں اب ایک
جہاں تک پردے پہ اوباس خانہ جنگ وشریر
جو چاہے تو کہ رہے فرش چاندنی دن کو
اُٹھا کے تہہ کرے پردے ظلام کے شب قیر

کرے ہے قلعِ امید آپ سے وہیں دشمن
سنے ہے مجھ سے تری جب کہ صولت شمشیر
جو نکلے میاں سے تو نامہ جنا کہیے
کہ پہنچے جس کو، اسے مٹنے سے نہیں ہے گزیر
رہے تو فیل کہ زربقت بوش کوہ ہے وہ
کروں شکوہ کو اس کے سو کس روش تسطیر
رہے تو زخم لگا اس کے بہ نہ ہووے مگر
فلک زمیں سے ملے تب ہوا ندمال پذیر
رواں رکاب میں ہے آسمان زر گویا
ستارے جھول کے اک آفتاب نظیر
کمیت خامہ مرے ہاتھ کے ہے رات تلے
صفت کروں میں سمند وزیر کی تحریر
کسو کو آنکھ نہ پڑ سکنی تھی چھلاوے میں
پھرے تھا سطح زمین پر وہ یوں سپہر مسیر
نظر جو ایک مصور کی آ گیا جاتے
یہ آن نے ریجھ کے جاہا کہ کھینچے تصویر
خیال دور سے دوڑا کے رہ گیا آخر
ہوا نا گرد میں گرد ابھی اس کا شکل پذیر
سن اس قاش کی مدحت کو مت سمجھیو یہ
کہ ہے غرج خزدویباد پرنیان ویر
عرض یہ ہے کہ تری کاک آستان رہے

کہ اس کے رتبے کو ہرگز نہ پہنچے پھر اکسیر

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مثنویات

جھوٹ

اے جھوٹ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے
شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے
اے جھوٹو شعار ہوا ساری خلق کا
کیا شہہ کا کیا وزیر کا کیا اہل دلق کا
اے جھوٹ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے
اے جھوٹ تو غضب ہے قیامت سے قہر ہے
اے جھوٹ، رفتہ رفتہ، ترا ہوگیا رواج
تیری متاع باب ہے ہر چار سو میں آج
اے جھوٹ کیا کہوں کہ بلا زیر سر ہے تو
اے جھوٹ سچ یہ ہے کہ عجب فتنہ گر ہے تو
اے جھوٹ کب ہے عرصے میں تجھ سا حریف اب
تیرے ہی حکم کش ہیں وضیع و شریف اب
اے جھوٹ کب سے شہر میں ہیں تابعین سبھی
مرجائے کیوں نہ کوئی وی سچ بولیں نی کبھی
کہنے سے آج ان کے کوئی دل نہ شاد ہو
فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو
وعدے گھڑی کے پہروں سب آزما چکے
برسوں تک انتظار کیا جی ہی جا چکے

یوسف کہ تھا نبی و صداقت شعار تھا
پھر حُسن ظاہری سے وہ باغ وبہار تھا

پایاں کار تیر ے سبب چاک پیر، سن
زنداں میں جا کے برسوں رہا چھوڑ کر وطن

اے جھوٹ تو، تو یاک دل آویز سے بلا
آشوب گاہ تھ سے زمانہ سدارہا

کس جاں کنی سے کوہ کنی کوہ کنی نے کی
تصویر کھودشیریں پیش نظر رکھی

اے جھوٹ تنگ تیرے کرے کوئی کیابیاں
رکھتاہے جیسے غنچہ زباں تو تہہ زباں

نزدیک جب ہواکہ وہ مطلوب سے ملے
اب صبح و شام غنچہ مقصود دل کھلے

دلا لہ توپردے میں آکام کرگیا
دوباتوں میں وہ عاشق دل خستہ مرگیا

اے جھوٹ راستی سے نہیں گفتگو کہیں
کہنے کو ہاں کہیں ہیں حقیقت میں ہے نہیں

اے جھوٹ اس زمانے میں کیوں کر چلے معاش
ہے تنگ جھوٹ بولنے سے عرصہ تلاش

سردار جس سے سب متعلق ہے کاروبار
سچ بولنا ہے اس تیئں سخت ننگ وعار

پھر سب مدار کا دروغی و مفتری

صدق وصفا و راستی کے عیب سے بری
شکل حصول کام ہے یاں حاصل کلام!
باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام
اے جھوٹ دل مرا بھی بہت دردناک ہے
ان کا ذبوں س صبح جیب چاک ہے

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

گھر کا حال

کیا لکھوں میرؔ اپنے گھر کا حال
اس خرابے میں میں ہوا پامال
گھر کہ تاریک وتیرہ زنداں ہے!
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے
کوچہ موج سے ہے آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیوار سے سو جگہ سے زخم
ترتنگ ہو تو سو کھتے ہیں ہم
لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
کیا تھمے منہ سقف چھلنی تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام
اس چکش کا علاج کیا کریے
راکھ سے کب تلک گڑھے بڑھیے
جا نہیں بیٹھنے کو مینھ کے بیچ!
ہے چکش سے تمام ایواں پیچ
آنکھیں بھر لاکے یہ کہیں ہیں سب
کیوں کہ پردہ رہے گا یارب اب
جھاڑ باندھنا ہے مینھ نے دن رات

گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات
باؤ میں کانپتے ہیں جو تھر تھر
ان پر ردا رکھے کوئی کیون کر
کیچ لے لے کے جوں توں چھوپا ہے
چھونپا کاہے کو ہے تھوپا ہے
تس کو پھر پر چھتی بھی ہے ہی نہیں
ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں
ڈھانکو دیوار یا اٹھا رکھتو
یا ہمارے لیے بچھا رکھو
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سوسکستہ تراز دل عاشق
کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیرے ہے خاک
کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سرنکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھو ندرکا
شورہر کونے میں ہے مچھر کا
کونے ٹوٹے ہیں طاق چھوٹے ہیں
پھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے
اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے

رکھ کے دیوار ایدھرادھر سے
لا کے یارب بناؤں کس گھر سے
چارپائی جب اس میں بچھوائی
پہلے چلپاسہ ہی نظر آئی
شام ابرص کہ ہے دوائے خراج
ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج
پیکر اپنی خدانے رکھی ہے
ڈانس اک ایک جیسی مکھی ہے
آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان
وہی اس تنگ کا خلق کا ہے مکاں
کڑی تختے سبھی دھنویں سے سیاہ
اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کبھو کوئی سپنو لیا ہے پھر سے
کبھو چھت کی طرف ہمشہ نگاہ
کوئی تختہ مکان سے ٹوٹا ہے
کوئی داسہ مکاں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مدنظر
گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر
مٹی تو، وہ ڈالی چھت پر ہم
تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم
مضطرب ہوکے جو بچھائی بہت

ہر کڑی نے کڑی اٹھاء بہت
پتھر سے اس مٹی میں کرختی ہے
تختہ تختہ ہوئی یہ سختی ہے
دیں ہیں اڑ داڑیں پھر جو حد سے زیادہ
چل ستوں سے مکاں دے ہے یاد
اینٹ مٹی کا درکے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر
جیتے ہیں جب تلک نہیں پہنچی
ورنہ کیابس ہے جو یہیں پہنچی
کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال
پدڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
توتا، مینا تو ایک بابت ہے
پودنا پھد کے تو قیامت ہے
کیوں کہ ساون کٹے گا اب کی بار
تھرتھر ادے بھنبھیر سے دیوار
ہوگیا ہے جو اتفاق ایسا
شاق گزرے ہے کیا کہوں کیسا
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
اڑ بھنبھیری کہ سارا دن آیا اب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے
جانِ محزوں نکل ہی جاتی ہے

نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ
کہیں کھسکے تو ہے قیامت تنگ

ایک دن ایک کوا آبیٹھا
لے گماں جیسے ہوا آبیٹھا

چیل سے لوگ دوڑے کرتے شور
کہ نہ حائط میں کچھ راتھا زور

ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے
دوڑے اچھلے کہ ہال ہال چلے

نہیں وہ زاغ چار پانوں پھرا
ایک کالا پہاڑ آن گرا

مٹی اس کی کہیں کہیں بھیکی
جی ڈہا اور چھاتی بھی بھسکی

سان کر کاخاک لگ گئے دوچار
بارے جلدی درست کی دیوار

اچھے ہوں گے کمنڈر بھی اس گھر سے
برسے ہے یک خرابی گھر درسے

اُکھڑے پکھڑے کوار ٹوٹی وصید
زلفی زنجیر ایک کہنہ جدید

خاک لوہے کو جیسے کھاوے پاک
چھیڑ لیجے تو پھر تری ہے خاک

بندرکھتا ہون درجو گھر میں رہوں

قدر کیا گھر جب کہ میں ہی نہ ہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور

ہے خرابی سے شہر میں مشہور
جس سے پوچھو اُسے تبادے شتاب

ساری بستی میں ہے یہی تو خراب
ایک چھپر ہے شہر دلی کا

جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا
بانس کا جادیے تھے سرکنڈے

سووے مہینوں میں سب ہوئے ٹھنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب

پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینھ میں کیوں نہ بھیگے یک سر

پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
مٹی ہو کر گر اہے سب والا

وہ رہے یان جو ہووے ڈھب والا
واں پہ ٹپکا تویاں سرک بیٹھا

یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
حال کس کو ہے اڈتی کا یاد

مگر اس جھگڑے میں گئی برباد
کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالا

کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا

ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پنج کوئی لڑاؤں فند کروں

یاں تو جھانکے ہزار میں تنہا!
کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہو سکتا

بس کہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی

کوئی جانے کہ بولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے سے یہ کہ خیلا ہوں

مجھ سے کیا واقعی ہوا چارہ
آسماں جو پھٹے تو کیا چارہ

بان جھینگر تمام چاٹ گئے
بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاں وار ہیں جو بیش و کم
تن پہ چڑیوں کو جنگ ہے باہم

ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور
ایک مگر ی پہ کر رہی ہے شور

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چھپر کی ایسی تیسی ہے

کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی
چار پائی ہمیشہ سر پہ رہی

بوریا پھیل کر بچھا ن کبھو

کونے ہی میں کھڑے رہا یک سو
ڈیوڑھی کی یہ خوبی درایسا
چھپر اس چوچلے کا گھر ایسا
جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹی رہے ہیں جن کے یہاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی
شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ زورِ سیاہ لاتا ہوں
کیڑا اک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
ایک انگوٹھا دکھا دے انگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ملتے راتوں کو گھس گئیں پوری
ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں
ہاتھ تکیے پہ گہہ بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر
سلسلایا جو پائینتی کے اور
وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور

تو شک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی
جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
ساری کھاٹوں کی چولیں نکلیں ندان
نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو
پائے پٹی لگانے کونے کو
جب نہ تب پنڈے پر لیے پائے
ستیلا کے سے دانے مرجھائے
سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل
آنکھ، منہ، ناک کان، میں کھٹمل
کہیں پھڑکا کہ جی سے تاب گئی
آنکھ سے تاپگاہ خواب گئی
ایک ہتیلی پہ ایک گھائی میں
سینکڑوں ایک چارپائی میں
ہاتھ کو چین ہو، تو کچھ کہیے
کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے
یہ جو بارش ہوئے تو آخر کار
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار
آہ کھینچی خرابی کیا کیا نہ
تھے جو ہم سایے وی ہیں ہم خانہ
ایسے ہوئے ہیں گھر میں تو بیٹھے

جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے
دو طرف سے تھا کتوں کا رہتا
کاش جنگل میں جاکے میں بستا
ہوگھڑی دوگھڑی تو دتکاروں
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار ماتے ہیں چار آتے ہیں
چار عف عنب سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
وہ جوایواں تھا حجرے کے آگے
اس کے اجزا بکھرنے سب لاکے
کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا
پانی جزجز میں اس کے پیٹھ گیا
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا
میں تو حیران کار تھا اپنا
کوئی اس دم نہ یار تھا اپنا
اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یک سر
خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر
چرخ کی کج ردی نے پیسا تھا
پر خدا مجھ سے میرا سیدھا تھا

کتنے اک لوگ اس طرف دھائے
یا ملک آسماں سے آئے
مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں
کام نے شکل پکڑی باتوں میں
آنکھ کھولی ادھر ادھر دیکھا
اس خرابی کو بھر نظر دیکھا
قدرت حق دکھائی دی آکر
یعنی نکلا درست وہ گوہر
داشت کی کوٹھری میں لا رکھا
پھر بندھا یہ خیال یاروں کو
کہ مری بودوباش یاں نہ رہے
گو تصرف میں یہ مکاں نہ رہے
شہر میں جا مہم نہ پہنچی کہیں
چار وناچار پھر رہا میں وہیں
اب وہی گھر ہے بے سروسایہ
اور میں ہوں وہی فرومایہ
دن کو ہی دھوپ رات کو ہی اوس
خوابِ راحت ہے یاں سے سوسو کوس
قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں
نہ اثر بام کا نہ کچھ درکا

گھر ہے کا ہے کا نام ہے گھر کا

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

برسات کی شدت

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے
اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں
زندہ درگور ہم کئی من ہیں
ہے جو سرکوب اک بڑی دیوار
واں سے جھانکو تو ہے اندھیر غار
بختِ بد دیکھ سارے پرنالے
اس کے معمار نے ادھر ڈھالے
اب جو آیا ہے موسم برسات
دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات
صحن میں آب نیزہ بالا ہے
کوچہ موج ہے کہ نالا ہے
مینھ میں گھر کے پانچ چھے چھپر
ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر
پرتلک تنکے تھے کچھ ایک نئے
سودے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے
دل ہے کچھ مکڑیوں کا احسان مند
کے جنھوں نے کیے ہیں جھانکے بند
پھوس کچھ ہے کہیں سو آٹا ہے

بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے
اڑ گئی گھاس آہ گھر ہے کہنے کو

باندھتا ہے مچان رہنے کو
بند بھانکوں کو کیجیے تا کے

یاں تو یک آسماں ٹوٹا ہے
ٹھیکی دینے کو جا اڑے ہیں ہم
سر پہ ٹھٹھر لیے کھڑے ہیں ہم

ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے
بہتی چھوتی ہیں صحن میں گھر کے
تا گلے سب کھڑے ہیں پانی میں

خاک ہے ایسی زندگانی میں
اب تو یہ بھی حال بدتر ہے
سر پہ ٹھرنا ہے تس پہ چھپر ہے

پانی بہہ کر چھکا جو ہے دھات
سر پہ رہتا ہے طرہ ایمات
چاک اس ڈول سے ہے ہر دیوار

جیسی چھد ہوعا شقوں کی فگار
متصل ٹپکے ہے نہ باراں تو
گریہ زار سوگ داراں تو

گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے
چھت بھی بے اختیار روتی ہے

مینھ یک بارگی جو ٹوٹ ہے
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ ہے
دایے بدن کار ٹوٹو بہے
طامچے بھر رہے تھے چھوٹ بہے
بہہ گئے گولے تختے ڈوب گئے
غرض اجزائے سقف خوب گئے
موج خشتی ستون میں پیٹھی
جانغم ناک خوں میں پیٹھی
لی گیا پیچ وتاب پانی کا
کوٹھری تھی حباب پانی کا
یوں دھنسا گھر کہ بارِ خاطر تھا
آہ کس کا غبارِ خاطر تھا
اُکھڑی دہلیز سب منڈیر گری
لہری پانی کا جھاڑو دیتی پھری
ساری بنیاد پانی نے کاٹی
اینٹ کے گھر کو کردیا مائی
جھک گئے سب ستون در بیٹھا
وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا
جب اجارے پہ آکے چھت ٹھیری
ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھیری
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں

کسوٹی پہ بیٹھ کر نکلیں

دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب
ہے کنارا یہاں سے رکرنا خوب
سن کے ہر اک کے جی میں ڈر آیا
خاطروں میں یہ حرف ٹھیرایا
گٹھڑی کپڑوں کی میں اٹھائی تھی
سر پہ بھائی کے چار پائی تھی
بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا
اس کا سارا نگار کا ندھا تھا
ساتھ کوئی چراغ لے نکلا
کوئی سر پر اجاغ لے نکلا
ایک نے چھینکے حال حال لیے
پائے پٹی گلے میں ڈال لیے
ایک نے بوریا لپٹ لیا
اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر
اگنی سب کے ہاتھ میں دے کر
صف کی صف نکلی اس خرابی سے
تا کہ پہنچیں کہیں شتابی سے
میرؔ جی اس طرح سے آتے ہیں
جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں

جن نے اس وقت آنکھ کھولا
ہنس کے بے اختیار وہ بولا
سن کے اس بات کو تر آئے ہم
باریاک بھائی کے گھر آئے ہم
تب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب
نہیں ملتا ہے گھر بقدر حباب
جس میں خوش یک نفس معاش کریں
طور پر اپنے بودو باش کریں

www.Nayaab.Net انٹرنیٹ ایڈیشن سال 2006

مثنوی خواب و خیال

خوش حال اس کا جو معدوم ہے
کہ احوال اپنا تو معلوم ہے
رہیں جانِ غم ناک کو کاہشیں
گئیں دل سے نومید سو خواہشیں
زمانے نے رکھا مجھے متصل
پراگندہ روزی پراگندہ دل
گئی کب پریشانی روزگار
رہا میں تو ہم طالع زلفِ یار
وطن میں نہ اک صبح میں شام کی
نہ پہنچی خبر مجھ کو آرام کی
اُٹھاتے ہی سر یہ پڑا اتفاق
کہ دشمن ہوئے سارے اہلِ وفاق
جلاتے تھے مجھ پر جو اپنا دماغ
دکھانے لگے داغ بالائے داغ
جدائی نے آوارہ چاہا مجھے
مری بے کسی نے بنایا مجھے
رفیقوں سے دیکھی بہت کو تہی
غریبی نے اک عمر کی ہم سری
مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا

غریبانہ چند سے بسر لے گیا

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ردیف بائے موحدہ

رکھتا ہے ہم سے وعدے ملنے کا یار ہر شب
سو جاتے ہیں لیکن بخت کنار ہر شب

مدت ہوئی کہ اب تو ہم سے جدا رکھتے ہے
اس آفتاب رو کریہ روزناز ہر شب

دیکھیں ہیں راہ کس کی یارب کہ اختروں کی
رہتی ہیں باز آنکھیں چمن دمیں ہزار ہر شب

دھوکے ترے کسو دن میں جاں دے رہو نگا
کرتا ہے ماہ میرے گھر سے گزار ہر شب

دل کی کدورت اپنے اک شب بیان ہوئی تھی
رہتا ہے آسماں پر تب سے غبار ہر شب

کس کے لگا ہے تازہ وتیر نگاہ اس کا
اک آہ میرے دل کی ہوئی ہے پار ہر شب

مجلس میں میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
روتی ہے شمع تب سے بے اختیار ہر شب

مایوس وصل اس کی کیا سادہ مردماں ہیں
گزرے ہے میرؔ ان کی امیدوار ہر شب

اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پر اب روز وشب
ٹپکا کرے ہے آنکھوں سے خوشاب روز و شب

اک وقت رونے کا تھا ہمیں خیال سا

آتے تھے آنکھوں سے چلے سیلاب روز و شب
اس کے لیے نہ پھرتے تھے ہم خاک چھانپتے

رہتا تھا پاس دور نا یاب روزوشب
رویا کئے ہیں غم سے ترے ہم تمام شب

پڑتی رہی ہے زور سے شبنم تما م شب
رکنے سے دل کے آج بجاہوں تو اب جیا

پڑتی رہی میں رہا ہے مراد تما م شب
یہ اتصال اشک جگر سوز کا کہاں

روتی ہے یوں تو شمع بھی کم کم تما م شب
شکوہ عبث ہے میرؔ کہ کڑھتے ہی سارے دن

یادل کا حال رہتاہے درہم تما م شب
گزرا کے جہاں میں خوشی سے تمام روز
کس کی کٹی زمانے میں بے غم تمام شب

اس پرلہو کے پیاسے ہیں تیرے لبوں کے رشک
اک نام کو رہی ہے عقیق یمن میں آب

دل لگیا تھا زیر زمیں میں بھرا ہوا
آتا ہے ہر مسام سے میرے گفن میں آب

دریا میں قطرہ قطرہ ہے آب گہر کہیں
ہے میر موج زن ترے ہر ایک سخن میں آب

کس کی مسجد، کیسے بت خانے کہاں کے شیخ و شاب
ایک گردش میں تری چشم سیہ کے سب خراب

تو کہاں اس کی کمر کے دھر نکر یو اضطراب
اسی رگ گل دیکھیو کھاتی ہے جو تو پیچ وتاب
موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے لے ہی حباب
تو ہوا در دنیا ہو ساقی میں ہوں مستی ہو مدام
پر بط صہبا نکالے اڑ چلے رنگ شراب
دائے اس جینے پر ای مستی کہ دور چرخ میں
جام مے پر گردش آوے اور میخانہ خراب
چوب حرفی بن الف بے میں نہیں پہچانتا
ہوں میں ابجد خواں شناسائی کو مجھ سے کیا حساب
مست ڈھلک مژگاں سے اب تو اے سرشک آبدار
مفت میں جاتی رہی گی تیری موتی کی سی آب
کچھ نہیں بحر جہاں کی موج پر مت بھول میر
دور سے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے سراب

ردیف تا

روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات
کیا فکر کروں میں کسو ڈھب ہو ملاقات

نے بخت کی باری ہے نہ کچھ جذب ہے کامل
وہ آپھی ملے تو ملے پھر جب ہو ملاقات

دوری میں کروں نالہ و فریاد کہاں تک
اک بار تو اس شوخ سے یا رب ہو ملاقات

جاتی ہے غشی بھی کبھو آتے ہیں بخود بھی
کچھ لطف اٹھے بارے اگر اب ہو ملاقات

وحشت ہے بہت میرؔ کو مل آیئے چل کر
کیا جانئے پھر یہاں سے گئے کب ہو ملاقات

سب ہوئے نادم پے تدبیر ہو جاناں سمیت
تیر تو نکلا مرے سینے سے لیکن جاں سمیت

تنگ ہو جاوے گا عرصہ خفتگانِ خاک پر
گر ہمیں زیر زمیں سونپا دل نالاں سمیت

باغ کر دکھلائیں گے دامانِ دشت حشر کو
ہم بھی وہاں آئے اگر مژگان خون افشاں سمیت

اٹھ گیا پردہ نصیحت گر کے لگ پڑنے سے میرؔ
پھاڑ ڈالا میں گریباں رات کو داماں سمیت

کیا کہیں اپنی اس کی شب کی بات

کہئے ہووے جو کچھ بھی ڈھب کی بات
اب تو چپ لگ گئی ہے خیرت سے
پھر کھلے گی زبان جب کی بات
نکتہ دانانِ رفتہ کی نہ کہو!
بات وہ ہے جو ہووے اب کی بات
کس کا روئے سخن نہیں ہے ادھر
ہے نظر میں ہمارے سب کی بات
ظلم ہے قہر ہے قیامت ہے
غصے میں اس کے زیر لب کی بات
کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم
ہے خدا جانے کب کی بات
گولہ تش زبان تھے آگے میرؔ
اب کی کہنے گئی وہ تب کی بات
ہر صبح دم کروں ہوں الحاج یا انابت
تو جی میری دعا سے ملتی نہیں اجابت
مت لے حساب طاقت اے ضعف مجھ سے ظالم
لائق نہیں ہے یہ تیرے ہے کون سی بابت
کیا کیا لکھا ہے میں نے وہ میرؔ کیا کہے گا
گم ہووے نامہ بر سے یا رب میری کتابت
کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں
رو اٹھتے تھے بیٹھ دوپہر ساری رات

کیا سوز جگر کہوں میں ہمدم
آیا جو سخن زبان پہ رات
صحبت یہ رہی کہ شمع روئی
لے شام سے تا دم سحر ساری رات
جاگے تھے ہمارے بخت خفتہ
پہنچا تھا بہم وہ اپنے گھر رات
تھی صبح جو منہ کو کھول دینا
ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات
پر زلفوں میں منہ چھپا کے پوچھا
اب ہووے گی میرؔ کس قدر رات

جیتا ہی نہیں ہو جسے آزار محبت
مایوس ہوں میں بھی بیمار محبت
امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد
مر جائے تبھی چھوٹے گرفتار محبت
تقصیر نہ خوباں کی جلاد کا کچھ جرم
تھا دشمن جانی میرا اقرار محبت
ہر جنس کے خواہاں ملے بازار جہاں میں
لیکن نہ ملا کوئی خریدار محبت
اس راز کو رکھ جی ہی میں تا جی بچے تیرا
زنہار جو کرتا ہو تو اظہار محبت
مجھ سا ہی ہو مجنوں بھی یہ کب مانے ہے عاقل

ہر سر نہیں اے میرؔ سزاوار محبت
کیا کہیں اپنی اس کی شب کی بات
کہئے ہووے جو کچھ بھی ڈھب کی بات
اب تو چپ لگ گئی ہے خیرت سے
پھر کھلے گی زبان جب کی بات
نکتہ دانان رفتہ کی نہ کہو!
بات وہ ہے جو ہووے اب کی بات
کس کا روئے سخن نہیں ہے ادھر
ہے نظر میں ہمارے سب کی بات
ظلم ہے قہر ہے قیامت ہے
غصے میں اس کے زیر لب کی بات
کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم
ہے خدا جانے کب کی بات
گولہ تش زبان تھے آگے میرؔ
اب کی کہنے گئی وہ تب کی بات
ہر صبح دم کروں ہوں الحاج یا اناابت
تو جی میری دعا سے ملتی نہیں اجابت
مت لے حساب طاقت اے ضعف مجھ سے ظالم
لائق نہیں ہے یہ تیرے ہے کون سی بابت
کیا کیا لکھا ہے میں نے وہ میر کیا کہے گا
گم ہووے نامہ بر سے یا رب میری کتابت

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات
پر ہم سے تو تھمی نہ کبھو منہ پر آئی بات

جانے نہ تجھ کو جو یہ تصنع تو اس سے کر
تس پر بھی تو چھپی نہیں رہتی بنائی بات

اب تو ہووے ہیں ہم تیرے ڈھب سے آشنا
وہاں تو نے کچھ کہا کہ ادھر ہم نے پائی بات

بلبل کے بولنے میں سب انداز ہے میرے
پوشیدہ کب رہی ہے کسی کی اڑائی بات

اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو
جاتی نہیں ہے مجھ سے کسوں کی اٹھائی بات

خط لکھتے لکھتے میرؔ نے دفتر کئے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

ہم نشیں جا بیٹھ محنت کش کوئی دل چاہئے
عشق تیرا کام ہے تو ہے بغل پرور بہت

بس نہیں مجھ ناتواں کا جو کچھ کر سکوں
مدعی پر چک سے اس کی پڑ گیا ہے ور بہت

سخت کر جی کیوں یکباری کریں ہم ترک شہر
ان گلی کوچوں میں ہم نے پتھر کھائے ہیں بہت

ہم نفس کیا مجھ کو تو رویا کرے ہے روز و شب
رہ گئے ہے مجھ سے کوئے یار میں مر کر بہت

کیا سبب اب مکاں پر جو کوئی پاتا نہیں

میرؔ صاحب آگے تو رہتے تھے اپنے گھر بہت

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ردیف تائے ہندی

نہ پایا دل ہوا روز سیہ سے جس کا جا لٹ پٹ
کسو کی زلف ڈھونڈی مو بمو کاکل سب لٹ لٹ
تو کن نیندوں کو پڑا سوتا تھا دروازہ کو موندے شب
میں چوکھٹ پر تری کرتا رہا سر کو ٹپک کھٹ کھٹ
چٹیں لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو
چمن میں توڑتا ہے ہر سحر کلیوں کے تئیں چٹ چٹ
ترے ہجراں کی بیماری میں میر ناتواں کو شب
ہوا ہے خواب سوتا ہے آہ اس کروٹ سے اس کروٹ

نہ پایا دل ہوا روز سیہ سے جس کا جا لٹ پٹ
کسو کی زلف ڈھونڈی مو بمو کاکل سب لٹ لٹ
تو کن نیندوں کو پڑا سوتا تھا دروازہ کو موندے شب
میں چوکھٹ پر تری کرتا رہا سر کو ٹپک کھٹ کھٹ
چٹیں لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو
چمن میں توڑتا ہے ہر سحر کلیوں کے تئیں چٹ چٹ

ردیف جیم

آئے ہے میر منہ کو بنائے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ بیوفا سے آج

وا شد ہوئی نہ دل کو فقیروں کے بھی ملے
کھلتی نہیں گرہ یہ کسو کی دعا سے آج

جینے میں اختیار نہیں ورنہ ہمنشیں
ہم چاہتے ہیں موت تو اپنی خدا سے آج

ساقی ٹک ایک موسم گل کی طرف ٹپکا پڑا ہے رنگ چمن میں ہوا ہے آج

تھا جی میں اس سے ملئے تو کیا کیا کہیے میر
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل حیا سے آج

عشق کیا ہو نے کہیں تو عشق ہمارا جی مارے
رحم کی جا گہ کی ہے پیدا شاید اس کے دل میں بھی

دیکھ رہا ہے منہ کو ہمارے حال سن کر آج
کل کہتے ہے ہونگی قیامت کل کی کل ہے لینگے دیکھ

یا تو قیامت عشق میں اس کے ہیگی اپنے سر پہ آج
کرتی ہے بو زلف مغبر آئے ہو بیخود سے کچھ

بارے مزاج شریف تمہارا میر گیا کدھر ہے آج

ردیف جیم فارسی

کاش اٹھیں ہم بھی گنہگاروں کے بیچ
ہوں جو رحمت کے سزاواروں کے بیچ

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ

ہیں عناصر کی یہ صورت بازیاں
شعبدے کیا کیا ہیں ان چاروں کے بیچ

بیٹھنا غیروں میں کب ننگ یار
پھول گل ہوتے ہی ہیں خاروں کے بیچ

یارو مت اس کا فریب مہر کھاؤ
میرؔ بھی تھے اس کے ہی یاروں کے بیچ

قائدہ مصر میں یوسف ہے زندان کے بیچ
بھیج دے کیوں و زلیخا اسے کنعان کے بیچ

حال گلزار زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق
رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہے اک آن کے بیچ

کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیچ!
دن نہ پھر جائیں گے عشاق کے اک رات کے بیچ

میری طاعت کو قبول آہ کہاں تک ہو گا
سبحہ اک ہاتھ میں ہے جام ہے اک ہات کے بیچ

تاب و طاقت کو تو رخصت ہوئے مدت گزری

پند گویوں ہی نکر اب خلل اوقات کے بیچ
زندگی کس کے بھروسے پہ محبت میں کروں
ایک دل غمزدہ ہے سو بھی ہے آفات کے بیچ
بے مئے و مغبچہ اک دم نہ رہا تھا کہ رہا
اب تلک میرؔ کا تکیہ ہے خرابات کے بیچ
ساتھ ہو اک بیکسی کے عالم ہستی کے بیچ
باز خواہ خواہ خوں ہے میرا گو اسی بستی کے بیچ
عرش پر ہم نمد پوشانِ الفت کا دماغ
وج دولت کا سا ہے یہاں فقر کی پستی کے بیچ
ہم سیہ کاروں کا ہنسنا وہ ہے میخانے کی اور
آ گئے ہیں میرؔ مسجد میں چلے مستی کے بیچ
باوجود ملکیت نہ ملک میں پایا
وہ تقدس کہ جو ہے حضرت انسان کے بیچ
پاسباں سے تیرے کیا دور جو ہو ساز رقیب
ہے نہ اک طرح کی نسبت سگ و دربان کے بیچ
جیسی عزت مرے دیواں کی امیروں میں ہوئی
ویسی ہی ان کی بھی ہو گی مرے دیوان کے بیچ
ساتھ ہی اس سر عریاں کی یہ وحشت کرنا
پگڑی الجھی ہے مری اب تو بیابان کے بیچ
دے پھریں پلکیں اگر کھب گئیں جی میں تو وہیں
رخنے پڑ جائیں گے واعظ ترے ایمان کے بیچ

آگے تو رسم و دوستی کی تھی جہاں کے بیچ
اب کیسے لوگ آئے زمین آسماں کے بیچ

میں بے دماغ عشق اٹھا سو چلا گیا
بلبل پکارتی ہی رہی گلستان کے بیچ

طالع سے بن گئی کہ ہم اس مہ کنے گئے
بگڑی تھی رات اس کے سگ و پاسباں کے بیچ

اتنی جبین رگڑی کہ سنگ آئینہ ہو
آنے لگا ہے منہ نظر اس آستاں کے بیچ

خوگر ہوئے ہیں عشق کی گرمی سے خار و خس
بجلی پڑی رہے ہے مرے آشیاں کے بیچ

اس روے برفروختہ ہی سے ڈرے ہے میرؔ
یہ آگ جا لگے گی کسی دودماں کے بیچ!

جان کو قید عناصر سے نہیں ہے وارہی
تنگ آئے ہیں بہت اس چار دیواری کے بیچ

روتے ہی گزری ہمیں ہے شب نشینی کی باغ کی
اوس سی پڑتی رہی ہے رات ہر کیاری کے بیچ

یاد پڑتا ہے جوانی تھی کہ آئی رنگی
ہو گیا ہوں میں تو مست عشق ہشیاری کے بیچ

ایک ہوویں جو زبان و دل تو کچھ نکلے بھی کام
یوں اثر اے میرؔ کیا ہو گریۂ و زاری کے بیچ

ردیف حائے حطی

ہونے لگا گداز غم یار بے طرح
رہنے لگا ہے دل کو اب آزار بے طرح

اب کچھ طرح نہیں ہے کہ ہم غمزدے ہوں شاد
کہنے لگا ہے منہ سے ستم گار بے طرح

جاں بر تمہارے ہاتھ سے ہو گا نہ اب کوئی
رکھنے لگے ہو ہاتھ میں تلوار بے طرح

فتنہ اٹھے گا ورنہ نکل گھر سے شتاب
بیٹھے ہیں آ کے طالب دیدار بے طرح

لوہو میں شوربور ہے دامان و جیب میرؔ
بھرا ہے آج دیدۂ خونبار بے طرح

خاطر کرے ہے جمع وہ ہربار ایک طرح
کرتا ہے چرخ مجھ سے نئے یار ایک طرح

میں اور قیس و کوہ کن اب جو زباں پہ ہیں
تارے گئے ہیں سب یہ گنہگار ایک طرح

منظور اس کو پردے میں ہیں بے حجابیاں
کس سے ہوا دچار وہ غیار ایک طرح

سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں
پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح

گھر اس کے جا کے آتے ہیں پامال ہو کے ہم

کرئے مکاں ہی اب سر بازار ایک طرح
کہ گل ہے گل رنگ گہے باغ کی ہے بو!
آتا نہیں نظر وہ طرح دار ایک طرح
نیرنگِ حسن دوست سے کر آنکھیں آشنا
ممکن نہیں دگر نہ ہو دیدار ایک طرح
ہر طرح تو ذلیل ہی رکھتا ہے میرؔ کو
ہوتا ہے عاشقی میں کوئی خوار ایک طرح
کیا ہم بیان کسو سے کریں اپنی بانکی طرح
کی عشق نے خرابی سے اس خانداں کی طرح
جوں سبزہ چل چمن میں لب جو پہ سیر کر
عمر عزیز جاتی ہے آب رواں کی طرح
جو سقفِ بے عمد ہو نہیں اس کا اعتماد
کس خانماں خراب نے کی آسماں کی طرح
اثبات بے ثباتی ہوا ہوتا آگے تو
کیوں اس چمن میں ڈالتے ہم آشیاں کی طرح
آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
ابھریں گے کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد
جینا مرا تو تجھ کو غنیمت ہے نا سمجھ
کھینچے گا کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد
شمع مزار اور یہ سوز جگر مرا
ہر شب کریں گے زندگی ناساز میرے بعد

حسرت ہے اس کے دیکھنے کی دل میں بے قیاس
اغلب کہ میری آنکھیں رہیں باز میرے بعد

کرتا ہوں میں جو نالے سر انجام باغ میں
منہ دیکھو پھر کریں گے ہم آواز میرے بعد

بن گل موا ہی میں تو یہ تو جا کے لوٹیو
صحن چمن میں اے پر پرواز میرے بعد

بیٹھا ہوں میرؔ مرنے کو اپنے میں مستعد
پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانباز میرے بعد

ہوں رہگذر میں تیرے ہر نقش پا ہے شاید
اڑتی ہے خاک میری باد صبا ہے شاید

طوف حرم میں بھی میں بھولا نہ تجھ کو اے بت
آتا تھا یاد تو ہی میرا خدا ہے شاید

شرمندہ اثر کچھ باطن مرا نہیں ہے
وقت سحر ہے شاید دست دعا ہے شاید

ہم گرفتار حال ہیں اپنے
طائر پر بریدہ کے مانند

دل تڑپتا ہے اشک خوش میں
صید در خوں طپیدہ کے مانند

تجھ سے یوسف کو کیونکہ نسبت دیں
تب شنیدہ ہو دیدہ کے مانند

میرؔ صاحب بھی اس کے ہاں تھے لیک

بندۂ زر خریدہ کے مانند

موند آنکھیں سفر عدم کا کر

بس ہے دیکھا نہ عالم ایجاد

فکر تعمیر میں نہ رہ منعم

زندگانی کی کچھ بھی ہے بنیاد

ہم کو مرنا یہ ہے کہ کب ہوں کہیں

اپنی قید حیات سے آزاد

خوب ہے خاک سے بزرگوں کی

چاہنا تو مرے تئیں امداد

پر مروت کہاں کی ہے اے میرؔ

تو ہی مجھ دل جلے کو کر ارشاد

نامرادی ہو جس پہ پروانہ

وہ جلاتا پھرے چراغ مراد

آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں دعا یاد

آوے گی بہت ہم بھی فقیروں کی صدا یاد

ہر آن وہ انداز ہے جس میں کہ کہے بھی

اس مخترع جور کو کیا کیا ہے ادا یاد

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری

اپنی بھی وفا یاد ہے اس کی بھی جفا یاد

جی بھول گیا دیکھ کے چہرہ وہ کتابی

ہم عصر کے علامہ تھے پر کچھ نہ رہا یاد

سب غلطی رہی بازی طفلانہ کی یکسو
وہ یاد فراموش تھے ہم کو نہ کیا یاد
کعبے تو گئے بھول کے ہم دیر کا رستہ
آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد
اک لطف کے شرمندہ نہیں میرؔ ہم اس سے
گو یہاں سے گئے ان نے بہت ہم کیا یاد
لوہو آنکھوں میں اب نہیں آتا
زخم اب دل کے بھر گئے شاید
اب کہیں جنگلوں میں ملتے نہیں
حضرت خضر مر گئے شاید
موا کوہکن بے مستوں کھود کر
یہ راحت ہوئی ایسی محنت کے بعد
لگا آگ پانی کو دوڑے ہے تو
یہ گرمی تری اس شرارت کے بعد
کہے کو ہمارے کب ان نے سنا
کوئی بات مانی سو منت کے بعد
سخن کی نہ تکلیف ہم سے کرو
لہو ٹپکے ہے اب شکایت کے بعد
نظر میرؔ نے کیسی حسرت سے کی
بہت روئے ہم اس کی رخصت کے بعد

ردیف رائے مہملہ

ادھر تلک ہی چرخ کے مشکل ہے ٹک گزر
اے آپ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر
ہم تو اسیر گنج قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر
کیا جانوں کس کے تئیں لب خنداں کہے ہے خلق
میں نے جو آنکھیں کھول کے دیکھیں سو چشم تر
اے سیل تک سنبھل کے قدم بادیے میں رکھ
ہر سمت کو ہے تشنہ لبی کا مری خطر
کرتا ہے کون منع کہ سج اپنی تو نہ دیکھ!
لیکن کبھی تو میرؔ کے کر حال پر نظر
غیروں سے دے اشارے ہم سے چھپا چھپا کر
پھر دیکھنا ادھر کو آنکھیں ملا ملا کر
ہر گام سدرہ تھی بتخانے کی محبت
کعبے تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر
نخچیر گہ میں تجھ سے جو نیم کشتہ چھوٹا
حسرت نے اس کو مارا آخر لٹا لٹا کر
اک لطف کی نگہ بھی ہم نے نہ چاہی اس سے
رکھا ہمیں تو ان نے آنکھیں دکھا دکھا کر
ناصح مرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق

گو ڈر کیا گریبان سارا سلا سلا کر
نہ ہو ہر زہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہل دل ضبط نفس بہتر
بڑا ہے امتحاں لیکن نہ سمجھے تو تو کیا کر لے
شہادت گاہ میں لے چل سب اپنے بلہوس بہتر
سیہ کر دوں گا گلشن دور دل سے باغبان میں بھی
جلا آتش میں میرے آشیاں کے خار و خس بہتر
عبث پوچھے ہے مجھ سے میرؔ میں صحرا کو جاتا ہوں
خرابی ہے یہ دل رکھا ہے جو تو نے تو بس بہتر
دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار
ساقی تو ایک بار تو توبہ مری تُوا
توبہ کروں جو پھر تو ہے توبہ ہزار بار
کیا زمزمہ کروں ہوں خوشی سے تجھ سے ہم صفیرا
آیا جو میں چمن میں تو جاتی رہی بہار
کس ڈھب سے راہ عشق چلوں ہے یہ ڈر مجھے
پھوٹیں کہیں نہ آبلے ٹوٹیں کہیں نہ خار
کوچے کی اس کے راہ نہ بتلائی بعد مرگ
دل میں صبا رکھے تھی مری خاک سے غبار
اے پائے خم کی گردشِ ساغر ہو دستگیر
مرہونِ درد سر ہو کہا تک مرا خمار

وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہے میر
آسودگی رکھے بہت گوشۂ مزار

یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب توکل کر
اگرچہ جان جاتی ہے چلی لیکن تغافل کر

سفر ہستی کا مت کر سرسری جوں باد اے رہرو
یہ سب خاک آدمی تھے ہر قدم پر ٹک تامل کر

غصے سے اٹھ چلے ہو جو دامن کو جھاڑ کر
جاتے رہیں گے ہم بھی گریبان پھاڑ کر

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہی بستی اجاڑ کر

یا رب رہ طلب میں کوئی کب تلک پھرے
تسکین دے کہ بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر

منظور ہو نہ پاس ہمارا تو حیف ہے
آئے ہیں آج دور سے ہم تجھ کو تاڑ کر

غالب کر دیوے قوت دل اس ضعیف کو
تنکے کو جو دکھاوئے ہے پل میں پہاڑ کر

سیکڑوں حرف ہیں ہیں گرہ دل میں
پر کہاں پائیے لب اظہار

بحث نالہ بھی کچھو بلبل!!
پہلے پیدا تو کر لب گفتار

میر صاحب زمانہ نازک ہے

دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار
سہل سی زندگی پہ کام کے تئیں
اپنے اوپر نہ کیجئے دشوار!!

وے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دے
پیدا کئے تھے شرخ نے جو خاک چھان کر

افسانے ما دمن کے سنیں میرؔ کب تلک
چل اب کہ سویں منہ پہ دوپٹے کو تان کر

یہ مشت خاک یعنی انسان ہی ہے روشن
ورنہ اٹھائی کن نے اس آسماں کی ٹکر

منزل کی میرؔ اس کی کب راہ تجھ سے نکلی
یاں خضرؑ سے ہزاروں مر مر گئے بھٹک کر

ردیف رائے ہندی

لاکھوں جتن کئے نہوا ضبط گریہ لیک
سنتے ہی نام آنکھ سے آنسو گرے کروڑ

زخم دروں سے میرے نہ ٹک بے خبر رہو
اب ضبط گریہ سے یہ ادھر ہی کو سب نچوڑ

بلبل کی اور چشم مروت سے دیکھ ٹک
بیدرد یوں چمن میں کسو پھول کو نہ توڑ

کچھ کوہکن ہی سے نہیں تازہ ہوا یہ کام
بہتیرے عاشقی میں موئے سر کو پھوڑ پھوڑ

بے طاقتی سے میرؔ لگے چھوٹنے پران
ظالم خیال دیکھنے کا اس کے اب تو چھوڑ

ردیف زائے معجمہ

ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا وا ہنوز
بسمل پڑی ہے چرخ پہ میری دعا ہنوز

دن رات کو کھنچا ہے قیامت کا اور میں
پھرتا ہوں منہ پہ خاک ملے جابجا ہنوز

غنچے چمن چمن کھلے اس باغ دہر میں
دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہے وا ہنوز

احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستم زدہ وہ مبجو کیا ہنوز

توڑا تھا کس کا شیشۂ دل تو نے سنگدل
ہے دل خراش کوچے میں تیرے صدا ہنوز

بے بال و پر اسیر ہوں کنج قفس میں میرؔ
جاتی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز
ہے گریبان پارہ پارہ ہنوز

آتش دل نہیں بجھی شاید
قطرۂ اشک ہے شرارہ ہنوز

لب پہ آئی ہے جان کب کی ہے
اس کے موقوف ایک اشارہ ہنوز

عمر گزری دوائیں کرنے میرؔ

درد دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز
عاشق کے اس کو گریۂ خونیں کا درد کیا
آنسو نہیں ہے آنکھ سے جس کا گرا ہنوز
کیا جانے وہ کیا گزری ہے یاروں کے جی پہ کیا
مطلق کسو سے اس کا نہیں دل لگا ہنوز
برسوں میں نامہ بر سے مرا نام جو سنا
کہنے لگا کہ زندہ ہے وہ ننگ کیا ہنوز
گھگھیاتے رات کے تئیں باچھیں تو پھٹ گئیں
ناواقف قبول ہے لیکن دعا ہنوز

All rights reserved ©2002-2006

ردیف سین مہملہ

اے ابر تر تو اور کس سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہے یہ چشم تر ہی بس

حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا
اک برگ گل گرا نہ جہاں تھا مرا قفس

مژگاں بھی بہ گئیں مرے رونے سے چشم کی
سیلاب موج مارے تو ٹھہرے ہے کوئی خس

حیراں ہوں میرؔ نزع میں اب کیا کروں بھلا
احوال دل بہت ہے مجھے فرصت بک نفس

کیونکہ نکالا جائے بحر غم سے مجھ بے دل کے پاس
آ کے ڈوبی جاتی ہے کشتی مری ساحل کے پاس

ہے پریشان دشت میں کس کا غبار ناتواں
گرد کچھ گستاخ آتی ہے چلی محمل کے پاس

گرم ہو گا حشر کو ہنگامۂ دعویٰ بہت
کاشکے مجھ کو نہ لے جاویں مرے قاتل کے پاس

دور اس سے جوں ہوا دل پر بلا ہے مضطرب
اس طرح تڑپا نہیں جاتا کسو بسمل کے پاس

بوئے خوں آتی ہے باد صبحگاہی سے مجھے
نکلی ہے بے درد شاید ہو کسو گھائل کے پاس

آہ نالے مت کیا کر اس قدر بیتاب ہو

اے ستم کش میرؔ ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ردیف شین مجمہ

کل ہم نے سیر باغ میں دل ہاتھ سے دیا
اک سادہ گل فروش کا آکر سبد بدوش

جاتا رہا نگاہ سے جوں موسم بہار
آج اس بغیر داغ جگر ہیں سیاہ پوش

شب اس دل گرفتہ کو وا کر بزور مے
بیٹھے تھے شیرہ خانہ میں ہم کتنے ہرزہ کوش

آئی صدا کہ یاد کرو دور رفتہ کو
عبرت بھی ہے ضرور ٹک اے جمع تیز ہوش

جمشید جس نے وضع کیا جام کیا ہوا
وے صحبتیں کہاں گئیں کدھر وے تاؤ نوش

جز لالہ اس کے جام سے پاتے نہیں نشاں
ہے کو کنار اس کی جگہ اب سبو بدوش

ردیف صاد مہملہ

شیخ ہو دشمن زن رقاص
کیوں نہ القاص لایحب القاص! !

ردیف ضاد معجمہ

سال میں ابر بہاری تجھ سے اکباری ہے فیض
چشم نم دیدہ سے عاشق کی سدا جاری ہے فیض

ردیف طائے مہملہ

سب سے آئینہ نمسط رہتے ہیں خوباں اختلاط
ہوتے ہیں یہ لوگ بھی کتنے پریشان اختلاط
تنگ آیا ہوں میں رشک تنگ پوشی سے تری
اس تن نازک سے یہ جامے کو چسپاں اختلاط

ردیف ظائے معجمہ

غیر مجھ کو جو کہتے ہیں محظوظ
تجھ سے ملتے ہیں رہتے ہیں محظوظ

ردیف عین مہملہ

سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع
اس بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ جل جاتی ہے شمع

ردیف غین معجمہ

ہم اور تیری گلی سے سفر دروغ دورغ
کہاں دماغ ہمیں اس قدر دروغ دروغ

تم اور ہم سے محبت تمہیں خلاف خلاف
ہم اور الفت خوب دگر دروغ دروغ

غلط غلط کہ رہیں تم سے ہم تنک غافل
تم اور پوچھو ہماری خبر دروغ دروغ

فروغ کچھ نہیں دعویٰ کو صبح صادق کے
شب فراق کو کب ہے سحر دروغ دروغ

کسو کے کہنے سے مت بدگماں ہو میرؔ سے تو
وہ اور اس کو کسو پر نظر دروغ دروغ

ردیف فا

آج کل کا ہے کو بتلاتے ہو گستاخی معاف
راستی یہ ہے کہ وعدے ہیں تمہارے سب خلاف

آہ برچھی سی لگی تھی تیر سی دل کی طپش
ہجر کی شب مجھ پہ گزری غیرت روز مصاف

ایک دن میں نے لکھا تھا اس کو اپنا درد دل
آج تک جاتا نہیں سینے سے خامے کے شگاف

غالب ہے تیرے عہد میں بیداد کی طرف
ہر خون گرفتہ جائے ہے جلاد کی طرف

ہر تار زلف قیمت فردوس ہے ترا
کرتا ہے کون طرۂ شمشاد کی طرف

میں آگے نہ تھا دیدۂ پر آب سے واقف
پلکیں نہ ہوئی تھیں مری خونناب سے واقف

ہم ننگ خلائق یہ عجب ہے کہ نہیں ہیں
اس حال اسباب میں اسباب سے واقف

شب آنکھیں کھلی رہتی ہیں منتظروں کی
جوں دیدۂ انجم نہیں ہیں خواب سے واقف

نر کیا کروں اس کے گھر کی طرف
نگاہیں ہیں میری نظر کی طرف

چھپاتے ہیں منہ اپنا کامل سے سب

نہیں کوئی کرتا ہنر کی طرف
بڑی دھوم سے ابر آئے گئے
نہ کوئی ہوا چشم تر کی طرف
اندھا دھند روتے ہیں آنکھوں سے خون
نہیں دیکھتے ہم جگر کی طرف
رہا بے خبر گرچہ ہجراں میں میرؔ
رہے گوش اس کے خبر کی طرف

www.Iqbalcyberlibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ردیف قاف

لوگ بہت پوچھا کرتے ہیں کیا کہیے میاں کیا ہے عشق
کچھ کہتے ہیں سر الٰہی کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق
عشق کی شان اکثر ہے ارفع لیکن شانیں عجائب ہیں
گہہ ساری ہے دماغ و دل میں گاہے سب سے جدا ہے عشق
کام ہے مشکل الفت کرنا اس گلشن کے نہالوں سے
بوکش ہو کر سیب ذقن کا غش نہ کرے تو سزا ہے عشق
الفت سے پرہیز کیا کری کلفت اس میں قیامت ہے
یعنی درد و رنج و تعب ہے آفت جان و بلا ہے عشق
میرؔ خلاف مزاج محبت موجب تلخی کشیدن ہے
یاد موافق مل جاوے تو لطف ہے چاہ مزا ہے عشق
نزدیک عاشقوں کے زمیں ہے قرار عشق
اور آسماں غبار سر رہگذار عشق
مقبول شہری ہی نہیں مجنوں ضعیف و زار
ہے وحشیان دشت میں بھی اعتبار عشق
گھر کیسے کیسے دیں کے بزرگوں کے ہیں خراب
القصہ ہے خرابۂ کہنہ دیار عشق

گر ضبط کرتے ہو دیں جراحت جگر کے زخم
روتا نہیں ہے کھول کے دل راز دار عشق
مارا پڑا ہے انس ہی کرنے میں ورنہ میرؔ

ہے دور گر دوا دی وحشت شکار عشق

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ردیف کاف تازی

وحشت تھی ہمیں بھی وہی گھر بار سے اب تک
سر ماریں ہیں اپنے در و دیوار سے اب تک

مرتے ہی سنا ان کو جنھیں دل لگی کچھ تھی
اچھا بھی ہوا کوئی اس آزار سے اب تک

کچھ رنج دلی میرؔ جوانی میں کھنچا تھا
زردی نہیں جاتی مرے رخسار سے اب تک

دست و پا رے وقت بسمل تک
ہاتھ پہنچا نہ پائے قاتل تک

کعبہ پہنچا تو کیا ہوا اے شیخ
سعی کر ٹک پہنچ کسی دل تک

در پے محمل اس کے جیسے جرس
میں بھی نالاں ہوں ساتھ منزل تک

بجھ گئے ہم چراغ سے باہر
کہیو اے باد شمع محفل تک

نہ گیا میرؔ اپنی کشتی سے
ایک بھی تختہ پارہ ساحل تک

ردیف کاف فارسی

غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ

مجنون وہ کوہکن نہ تلف عشق میں ہوئے
مرنے پہ جی ہی دیتے ہیں اس خاندان کے لوگ

کیونکر کہیں کہ شہر وفا میں جنوں نہیں
اس خصم جاں کے سارے دوانے ہیں یہاں کے لوگ

رونق تھی دل میں جب تئیں بستے تھے دلبراں
اب کیا رہا ہے اٹھ گئے سب اس مکاں کے لوگ

مرتے ہیں اس کے واسطے یوں تو بہت دلے
کم آشنا ہیں طور سے اس کام جاں کے لوگ

مردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں
کس درجہ سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ

منہ تکتے ہی رہے ہیں سدا مجلسوں کے بیچ
گویا کہ میرؔ محو ہیں میری زباں کے لوگ

کیا عشق خانہ سوز کیدل میں چھپی ہے آگ
اک سارے تن بدن میں مرے پھک رہی ہے آگ

جل جل کے سب عمارت دل خاک ہو گئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

اب گرد و سرد دہر سے یکساں نہیں ہے حال

پانی ہے دل ہمارا کبھو تو کبھو ہے آگ
ہی آگ کا سا نالہ کاہس فزا کا رنگ
کچھ اور صبحدم سے ہوا کا رنگ
بے گہ شکستہ رنگیٔ خورشید کیا عجب
ہوتا ہے زرد بیشتر اہل فنا کا رنگ
خوبی ہے اس کی حیر تحریر سے بروں
کیا اس کا طور حسن لکھوں کیا ادا کا رنگ
پوچھیں ہیں وجہ گریۂ خونین جو مجھ سے لوگ
کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بے وفا کا رنگ
مقدور تک نہ گزرے مرے خوں سے یار میرؔ
غیروں سے کیا گلہ ہے یہ ہے آشنا کا رنگ
رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ
مظاہر سب اس کے ہیں ظاہر ہے وہ
تکلف ہے یہاں جو چھپاتے ہیں لوگ
عجب کی جگہ ہے کہ اس کی جگہ
ہمارے تئیں ہی بتاتے ہیں لوگ
رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا
کبھو، آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ
اس ابرو کماں پر جز قرباں ہیں ہم
ہمیں کو نشانہ بناتے ہیں لوگ

نہ سویا کوئی شور شب سے مرے
قیامت اذیت اٹھاتے ہیں لوگ
ان آنکھوں کے بیمار ہیں میرؔ ہم
بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ
بن جو کچھ بن سکے جوانی میں
رات تو تھوڑی ہے بہت ہے سانگ
عشق کا شور کوئی چھپتا ہے
نالہ عندلیب ہے گل بانگ
میرؔ بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ

ردیف لام

فصل خزاں میں سیر جو کی ہم نے جائے گل
چھائی چمن کی خاک نہ تھا نقش پائے گل

اللہ رے عندلیب کی آواد دل خواہش
جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

کیسا چمن اسیری میں کس ادھر خیال
پرواز خواب ہو گئی ہے بال و پر خیال

مشکل ہی مٹ گئے ہوئے نقشوں کی پھر نمود
جو صورتیں بگڑ گئیں ان کا نہ کر خیال

کس کو دماغ شعر و سخن ضعف ہیں کہ میرؔ
اپنا رہے ہے اب تو ہمیں بیشتر خیال

اک آن میں بدلتی ہے صورت جہاں کی
جلد اس نگار خانہ سے کر انتقال چل

دنیا ہے میرؔ حادثہ گاہ مقرری
یہاں سے تو اپنا پانوں شتابی نکال چل

ردیف میم

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
آ جاویں جو یہ ہرجائی تو بھی نہ جاویں جائے سے ہم

گریۂ خونیں ٹک بھی رہے تو خاک سی منہ پر اڑتی ہے
شام و سحر رہتے ہیں یعنی اپنے لہو کے پیاسے ہم

اس کی نہ پوچھو دوری میں ان نے پرسش حال ہماری نہ کی
ہم کو دیکھو مارے گئے آ کر پاس وفا سے ہم

چپکی کیا انواع اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے
دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے حیا سے ہم

کیا کیا عجز کریں ہیں لیکن پیش نہیں کچھ جاتا میرؔ
سر رگڑے ہیں آنکھیں ملے ہیں اس کے حنائی پا سے ہم

سبر بہت تھا ایک سمیں میں جا سے اپنی نہ جاتے ہم
کس کس ناز سے دے آتے پر آنکھ نہ ان سے ملاتے ہم

کعبہ سے کر نذر اٹھے سو خرچ راہ اے وائے ہوئے
ورنہ صنم خانے میں جا ز ناز گلے سے بندھاتے ہم

ہاتھی مست بھی آوے چلا تو اس سے منہ کو پھر نہ لیں
پھرتے ہیں سر مست محبت مے ناخوردہ ماتے ہم

اے جوانی وہ نہ گلے لگتا تو خشم عشقی سے
لعل جڑے جاتے ہیں چھاتی پہ گل ہاتھوں پر کھاتے ہم

عشق تو کار خوب ہے لیکن میر کھنچے ہے رنج بہت

کاشکے عالم ہستی میں بے عشق و محبت آتے ہم

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ردیف نون

بیکلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں

درد اگر یہ ہے تو مجھے بس ہے
اب دوا کی بھی احتیاج نہیں

ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرض عشق کا علاج نہیں

شہر خوبی کو خوب دیکھا میرؔ کا
جنس دل کا کہیں رواج نہیں

ضعف دماغ سے کیا پوچھو ہو اب تو ہم میں حال نہیں
اتنا ہے کہ طپش سے دل کی سر پر وہ دھمال نہیں

گاہے گاہے اس میں ہم نے منہ اس مہہ کا دیکھا تھا
جیسا سال کہ پر کا گزرا ویسا بھی یہ سال نہیں

بالوں میں اس کے دل الجھا تھا خوب ہوا جو تمام ہوا
ہر چند میرے حق میں کچھ اس کا ستم نہیں!

پر اس ستم سے بامزہ لطف و کرم نہیں
درویش جو ہولے تو کیا اعتبار سب

اب قابل اعتماد کے قول و قسم نہیں
غم اس کا کچھ نہیں ہمیں گو لوگ کچھ کہیں

یہ التفات ان نے جو کی ہے سو کم نہیں

کہنے لگا کہ میرؔ تمہیں بیچوں گا کہیں
تم دیکھیو نہ کہیو غلام اس کے ہم نہیں

میں کون ہوں اے ہم نفساں سوختہ جاں ہوں
اک آگ مرے دل میں ہے جو شعلہ فشاں ہوں

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
میں ورنہ وہی خلوتی راز نہاں ہوں

جلوہ ہے مجھی سے لب دریائے سخن پر
صد رنگ مری موج ہے میں طبع رواں ہوں

پنجہ ہے مرا پنجۂ خورشید میں ہر صبح
میں شانہ صفت سایۂ و زلف بتاں ہوں

دیکھا ہے مجھے جن نے سو دیوانہ ہے میرا
میں باعث آشفتگیٔ طبع جہاں ہوں

تکلیف نہ کر آہ مجھے جنبش لب کی
میں صد سخن آہستہ بخوں زیر زباں ہوں

ہوں زرد غم تازہ نہالانِ چمن سے
اس باغ خزاں دیدہ میں میں برگ خزاں ہوں

رکھتی ہے مجھے خواہش دل بلکہ پریشان
درپے نہو۔ اس وقت خدا جانے کہاں ہوں

اک وہم نہیں بیچ مری ہستی موہوم
اس پر بھی تری خاطر نازک پہ گراں ہوں

خوشباشی و تنزہ و تقدس تھی مجھے میرؔ

اسباب پڑے یوں کہ کوئی روز سے یہاں ہوں
عشق کرنے کو جگر چاہیے آساں نہیں
سب کو دعویٰ ہے ولے ایک میں یہ جاں نہیں
غارت دیں میں نگہ خصمی ایماں ادا
تجھ کو کافر نہ کہے جو وہ مسلماں نہیں
سرسری ملیے بتوں سے جو نہ ہو تاب جفا
عشق کا ذائقہ کچھ داخل ایماں نہیں
ایک بے درد تجھے پاس نہیں عاشق کا
ورنہ عالم میں کسو خاطر مہماں نہیں
کیونکے غم سر زدہ ہر لحظہ نہ آوے دل میں
گھر ہے درویش کا یاں در نہیں درباں نہیں
ہمنشیں آہ تکلیف شکیبائی کر! !
عشق میں صبر و تحمل ہو یہ امکاں نہیں
کس طرح منزل مقصود پہنچیں گے میرؔ
سفر دور ہے اور ہم کنے ساماں نہیں
یاروں مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں
ایک ایک فرط دور میں یوں ہی مجھے بھی دو
جام شراب پر نہ کریں میں نشے میں ہوں
مستی سے درہمی ہے مری گفتگو کے بیچ
جو چاہو تم بھی مجھ کو کہو میں نشے میں ہوں

یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانند جام مے
یا تھوڑی دور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں

معذور ہوں جو پاؤں مرا بے طرح پڑے
تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو میں نشے میں ہوں

بھاگی نماز جمعہ تو جاتی نہیں ہے کچھ
چلتا ہوں میں بھی ٹک تو رہو میں نشے میں ہوں

نازک مزاج آپ قیامت ہیں میرؔ جی
جو شیشہ میرے منہ نہ لگو میں نشے میں ہوں

اے کاش ہم کو سکر کی حالت رہے مدام
تا حال کی خرابی سے ہم بے خبر رہیں

ہم نے بھی نذر کی ہے کہ پھریے چمن کے گرد
یا رب قفس کے چھوٹنے تک بال و پر رہیں

دل کو لکھوں آہ وہ کیا مدعا لکھوں
دیوانے کو جو خط لکھوں بتلاؤں کیا لکھوں

کیا کیا لقب ہیں شوق کے عالم میں یار کے
کعبہ لکھوں کہ قبلہ اسے یا خدا لکھوں

حیراں ہو میرے حال میں کہنے لگا طبیب
اس دردمند عشق کی میں کیا دوا لکھوں

وحشت زدوں کو نامہ لکھوں ہوں نہ کس طرح
مجنوں کو اس کے حاشیہ پر میں دعا لکھوں

کچھ روبرو ہوئے پہ جو سلجھے تو سلجھے میرؔ

جی کے الجھنے کا اسے کیا ماجرا لکھوں

فردا کی فکر آج نہیں مقتضائے عقل
کل کی بھی دیکھ لیویں گے کل ہم اگر رہیں

مشہور ہیں دلوں کی مرے بیقراریاں
جاتی ہیں لا مکاں کو دل شب کی زاریاں

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گے یاد یہ باتیں ہماریاں

آئے ہیں میرؔ کافر ہو کر خدا کے گھر میں!

پیشانی پر ہے تشنہ زنار ہے کمر میں

ز کبدن ہے کتنا وہ شوخ چشم دلبر
جاں اس کے تن کے آگے آتی نہیں نظر میں

سینے میں تیرا اس کے ٹوٹے ہیں بے نہایت
سوراخ پڑ گئے ہیں سارے مرے جگر میں

آبندہ شام کو ہم رویا کڑھا کریں گے
مطلق اثر نہ دیکھا نالیدن سحر میں

بے سدھ پڑا رہوں ہوں اس مست ناز بن میں
آتا ہے ہوش مجھ کو اب تو پہر پہر میں

سیرت سے گفتگو ہے کیا معتبر ہے صورت
ہے ایک سوکھی لکڑی جو بو نہ ہو اگر میں

ہمسایۂ مغاں میں مدت سے ہوں چنانچہ
اک شیرہ خانے کی ہے دیوار میرے گھر میں

صبح و شام شاید گریہ پہ رنگ آوے
رہتا ہے کچھ جھمکتا خوشاب چشم تر میں

عالم میں آب و گل کے کیونکر تباہ ہو گا
اسباب گر پڑا ہے سارا مرا سفو میں

آ جائیں ہم نظر جو کوئی دم بہت ہے یہاں
مہلت ہمیں بسانِ شرر کم بہت ہے یہاں

یک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں
یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یہاں

ہم رہروان راہ فنا دیر رہ چکے
وہ بسان صبح کوئی دم بہت ہے یہاں

اس بت کدے میں معنی کا کس سے کریں سوال
آدم نہیں ہے صورت آدم بہت ہے یہاں

عالم میں لوگ ملنے کی گوں اب نہیں رہی
ہر چند ایسا ویسا تو عالم بہت ہے یہاں

ویسا چمن سے سادہ نکلتا نہیں رہی
ہر چند ایک اور خم و چم بہت ہے یہاں

اعجاز عیسوی سے نہیں بحث عشق میں
تیری ہی بات جان مجسم بہت ہے یہاں

شاید کہ کام صبح تک اپنا کھنچے نہ میرؔ
احوال آج شام سے درہم بہت ہے یہاں

لب ترے لعل ناب ہیں دونوں

پر تمامی عتاب ہیں دونوں
رونا آنکھوں کا روئیے کب تک
چھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں
ہے تکلف نقاب دے رخسار
کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں
تن کے معمورہ میں یہی دل و چشم
گھر تھے دو سو خراب ہیں دونوں
کچھ نہ پوچھو کہ آتش غم سے! !
جگر و دل کباب ہیں دونوں
سو جگہ اس کی آنکھیں پڑتی ہیں
جیسے مست شراب ہیں دونوں
پاؤں میں وہ نشہ طلب کا نہیں
اب تو سر مست خراب ہیں دونوں
ایک سب آگ ایک سب پانی
دیدۂ و دل عذاب ہیں دونوں
بحث کا ہیکو لعل و مرجاں سے
اس کے لب ہی جواب ہیں دونوں
آگے دریا تھے دیدۂ تر میرؔ
اب جو دیکھو سراب ہیں دونوں

ردیف واو

ہوئے تھے جیسے مر جاتے پر اب تو سخت حسرت ہے
کیا دشوار نادانی سے ہم نے کار آساں کو

کہیں نسل آدمی کی اٹھ نجاوے اس زمانے میں
کہ موتی آب حیواں جانتے ہیں آب انساں کو

بنے ناواقف شادی اگر ہم بزم عشرت میں
دہانِ زخم دل سمجھے جو دیکھا روئے خنداں کو

آنکھوں سے دل تلک ہیں چنے خون آرزو
تو میدیان ہیں کتنی ہی مہمان آرزو

یک چشمک اس طرف بھی تو کافر کہ تو ہی ہے
دین نگاہ حسرت و ایمان آرزو

آیا تو اورنگ رخ یاس چل بسا
جانے لگا تو چلنے لگی جان آرزو

اس مچلے کو سیر کروں کب تلک کہ ہے
دست ہزار حسرت و داماں آرزو

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

عشق کے نیچے کی طرح حسن گرفتاری ہے
لطف کیا سرو کے مانند اگر آزاد رہو

ہم کو دیوانگی شہروں ہی میں خوش آتی ہے

دشت میں قیس رہو کوہ میں فرہاد رہو
وہ گراں خواب جو ہے ناز کا اپنے سو ہے
داد بیداد رہو شب کو کہ فریاد رہو
میرؔ مل مل کے بہت خوش ہوئے تم سے پیارے
اس خرابے میں مری جان تم آباد رہو
وہی مجھ پہ غصہ وہی یاں سے جا تو
وہی دور ہو تو وہی پھر نہ آ، تو
میرے اس کے وعدہ ملاقات کا ہے
کوئی روز اے عمر کیجو وفا، تو
بہت پوچھیو دل کو میرے طرف سے
اگر جائے اس کی گلی میں صبا، تو
سفینہ میرا ورطۂ غم سے نکلے
جو ٹک نا خداتی کرے اے خدا تو
سب اسباب ہجراں میں مرنے ہی کے تھے
بھلا میرؔ کیونکر کے جیتا رہا تو
شیخ جی آؤ مصلیٰ گرد جام کرو
جنس تقویٰ کے تئیں صرف مے جام کرو
نیک نامی و تفاوت کو دعا جلد کہو
دین و دل پیش کش سادہ خود کام کرو
آپ تا چند رہو خانقہ و مسجد میں
ایک تو صبح گلستان میں بھی شام کرو

رات تو ساری گئی سنتے پریشاں گوئی
میرؔ جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو
ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو

ہیں یہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیدار کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

اے اسیران تہ دام نہ تڑپو اتنا
تا نہ بدنام کہیں چنگل صیاد کرو

اول عشق ہی میں میرؔ جی تم رونے لگے
خاک ابھی منہ کو ملو نالۂ و فریاد کرو

دل صاف ہو تو جلوہ گہ یار کیوں نہو
آئینہ ہو تو قابل دیدار کیوں نہو!

رحمت غضب میں نسبت برق و سحاب ہے
جس کو شعور ہو تو گنہگار کیوں نہو

آیات حق ہیں سارے یہ ذرات کائنات
انکار تجھ کو ہووے سو اقرار کیوں نہو

نزدیک اپنے ہم نے تو سب کر رکھا ہے سہل
پھر میرؔ اس میں مردنِ دشوار کیوں نہو

کامل ہو اشتیاق تو اتنا نہیں ہے دور
حشر دگر یہ وعدۂ دیدار کیوں نہ ہو

آوے جو کوئی آئینہ بازار دہر میں

بارے متاع دل کا خریدار کیوں نہ ہو
مقصود درد دل ہے نہ اسلام ہے نہ کفر
پھر ہر گلے میں سبحہ و زنار کیوں نہ ہو
تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری ادھر
تو اسی ستم کا میرؔ سزاوار کیوں نہ ہو

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ردیف ہائے ہوز

سو ظلم کے رہتے ہیں سزاوار ہمیشہ
ہم بیگنہ اس کے ہیں گنگار ہمیشہ

ایک آن گزر جائے تو کہنے میں کچھ آوے
در پیش ہے یہاں مردن دشوار ہمیشہ

دشمن کو نہ کیوں شراب مدام آوے میرؔ
رہتی ہے اودھر ہی نگہ یار ہمیشہ!

یوسف سے کئی آن کے تیرے سر بازار
بک جاتے ہیں باتوں میں خریدار ہمیشہ

ہے دامن گلچین چمن جیب ہمارا
دنیا میں رہے دیدۂ خوں بار ہمیشہ

جو بن ترے دیکھے موا دوزخ میں ہے یعنی
رہتی ہے اسے حسرت دیدار ہمیشہ

جیتا ہے تو بیطاقتی و بیخودی ہے میرؔ
مردہ ہے غرض عشق کا بازار ہمیشہ

واہ اس شوخ کی عاشق سے نہیں رک سکتی
جان جاتی ہے چلی خوبی رفتار کے ساتھ

دے دن اب سالتے ہیں راتوں کو برسوں گزرے
جن دنوں دیر رہا کرتے تھے ہم یار کے ساتھ

ذکر گل کیا ہے صبا، اب کہ خزاں میں ہم نے

دل کو ناچار لگایا ہے خس و خار کے ساتھ
کس کو ہر دم ہے لہو رونے کا ہجراں میں دماغ
دل کو اک رب سا ہے دیدۂ خونبار کے ساتھ
میری اس شوخ سے صحبت ہے بغیہ دیسی
جیسے بن جائے کسو سا دے کو عیار کے ساتھ
دیکھئے کس کو شہادت سے سرافراز کریں
لاگ تو سب کو ہے اس شوخ کی تلوار کے ساتھ
بیکلی اس کی تہ ظاہر تھی جو تو اے بلبل
دم کشی میرؔ ہوئی اس لب گفتار کے ساتھ

All rights reserved ©2002-2006

ردیف پائے تحتانی

اس کے ایفائے عہد تک نہ جئے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی!

وصل کے دن کی آرزو ہی رہی!
شب آخر ہوئی جدائی کی!

اسی تقریب اس گلی میں رہے
منتیں ہیں شکستہ پائی کی!

دل میں اس شوخ کے نہ کی تاثیر
آہ نے آہ نارسائی کی!

کاسہ چشم لیکے جوں نرگس
ہم نے دیدارہ کی گدائی کی!

زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میرؔ
کس بھروسہ پہ آشنائی کی

سن کے ضعت ہم سے خرابات کی
عقل گئی زاہد بد ذات کی!

جی میں ہمارے بھی تھا پیویں شراب
پیر مغاں تو نے کرامات کی

کوئی رمق جان بھی تن میں میرے
سو بھی تیرے غم کی مدارات کی

یاد میں تجھ زلف کے گریہ سے شوخ

روز میرا رات ہے برسات کی
کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی!

دھوم ہے پھر بہار آنے کی
دل کا اس کنج لب سے دے ہیں نشاں
بات لگتی تو ہے ٹھکانے کی

وہ جو پھرتا ہے مجھ سے دور ہی دور
ہے یہ تقریب جی کے جانے کی
تیز یوں ہی نہ تھی شب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی
کسو کم ظرف نے لگائی آہ!
تجھ سے میخانے کے جلانے کی
ورنہ اے شیخ شہر واجب تھی
جام داری شراب خانے کی
جو ہے سو پائمال غم ہے میرؔ
چال بے ڈول ہے زمانے کی

میرؔ دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی
خاطر بادیہ ہے دیر میں جاوے گی کہیں
خاک مانند بگولے کے اڑانی اس کی
ایک ہے عہد میں اپنے وہ پراگندہ مزاج
اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اس کی

منہ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے
اسی انداز سے تھی اشک فشانی اس کی

بات کی طرز کو دیکھو اس کو بہت بھاتی ہے
وہ نظر پاؤں یہ وہ بات دوانی اس کی

اس کا وہ عجز تمہارا یہ غرور خوبی
منتیں اس نے بہت کیں پہ نہ مانی اس کی

کچھ لکھا ہے تجھے ہر برگ پہ اے رشک بہار
رقعہ واریں ہیں یہ اوراق خزانی اس کی

سرگزشت اپنی کس اندوہ سے شب کہتا تھا
ہو گئے تم نہ سنی آہ کہانی اس کی

مرثیے دل کے کئی کہہ کے دیئے لوگوں کو
شہر دلی میں سب پاس نشانی اس کی

اب گئے اس کے جز افسوس نہیں کچھ حاصل
حیف صد حیف کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی

سر دامن سے گفتگو کریئے
بات بگڑی لب گریباں کی

اس بہت شوخ کی ہے طینت میں
دشمنی میرے دین و ایماں کی

آدمی سے ملک کو کیا نسبت
شان ارفع ہے میرؔ انساں کی

ہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری

نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری
برنگ صورت جرس تجھ سے دور ہوں تنہا
خبر نہیں ہے تجھے آہ کارواں میری
ترے نہ آج کے آنے میں صبح کے مجھ پاس
ہزار جائے گی طبع بدگماں میری
وہ نقش پائے ہوں میں مٹ گیا ہو جورہ میں
نہ کچھ خبر ہے نہ سدھ ہیگی رہرواں میری
شب اس کے کوچہ میں جاتا ہوں اس توقع پر
کہ ایک دوست ہے، وہاں خواب پاسباں میری
اسی سے دور رہا اصل مدعا جو تھا!
گئی یہ عمر عزیز آی رائیگاں میری
ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا
گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری
رہا میں در پس دیوار باغ مدت لیک
گئی گلوں کے نہ کانوں تلک فغاں میری
ہوا ہوں گریۂ خونیں کا جب سے دامنگیر
ز آستین ہوئی پاک دوستاں میری
دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میرؔ
پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری
غفلت میں گئی آہ مری ساری جوانی
اے عمر گذشتہ میں تیری قدر نہ جانی

تھی آبلۂ دل سے ہمیں تشنگی میں چشم
پھوٹا تو نہ آیا نظر اک بوند بھی پانی

مدت سے ہیں ایک مشت پر آوارہ چمن میں
نکلی ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

اک شخص مجھی سا تھا کہ وہ تجھ پہ تھا عاشق
وہ اس کی وفا پیشگی وہ اس کی جوانی

یہ کہہ کے جو رویا تو لگا کہنے نہ کہہ میرؔ
سنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی

بغیر دل کہ یہ قیمت ہے سارے عالم کی
کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم کی

کوئی ہو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی

ہمیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو
کہ سیر و گشت نہیں رسم اہل ماتم کی

تنک تو لطف سے کچھ کہہ کہ جاں بلب ہوں میں
رہی ہے بات مری جاں بلب کوئی دم کی

گزرنے کو تو کج دوا کج اپنی گزری ہے
جفا جو ان نے بہت کی تو کچھ وفا کم کی

گھرے ہیں زرد و الم میں فراق کے ایسے
کہ صبح عید بھی یہاں شام ہے محرم کی

قفس میں میرؔ نہیں جوش داغ سینے پر

ہوس نکالی ہے ہم نے بھی گل کے موسم پر
چلتے ہو تو چمن کو چلیے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
بات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم یا دو باداں ہے
رنگ ہوئے یوں ٹپکے ہے جیسے شراب چوستے ہیں
آگے ہو میخانے کے نکلو عہد بادہ گساراں ہے
عشق کے میداں داروں میں بھی مرنے کا ہے وصف بہت
یعنی مصیبت ایسی اٹھانا کار کار گزاراں ہے
دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے آنسو سارے خون ہوئے
لوہو پانی ایک کرے یہ عشق لالہ عذاراں ہے
کوہکن و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے
عشق میں ہم کو میرؔ نہایت پاس عزت داران ہے
جوں جوں ساقی تو جام بھرتا ہے
میری توبہ کا جان ڈرتا ہے!
سیر کر عاشقوں کی جانبازی
کوئی سسکتا ہے کوئی مرتا ہے
میرؔ از بسکہ ناتواں ہوں میں
جی میرا سائیں سائیں کرتا ہے
دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ ایک صبح یہاں سے اٹھتا ہے

خانۂ دل سے زینہار نہ جا
کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے

نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا
شور اک آسماں سے اٹھتا ہے

لڑتی ہے اس کی چشم شوخ جہاں
ایک آشوب وہاں سے اٹھتا ہے

برنگ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
کہ ہمراہ صبا ٹک سیر کرتے پھر ہوا ہوتے

سراپا آرزو ہونے نے بند کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتے

فلک اے کاش ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم
غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے

الٰہی کیسے ہوئے ہیں جنھیں ہے بندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خدا ہوتے

تو ہے کس ناحیہ سے اے دیار عشق کیا جانوں
ترے باشندگاں ہم کاش سارے بے وفا ہوتے

اب ایسے ہیں کہ صانع کی مزاج اوپر بہم پہنچے
جو خاطر خواہ اپنے ہوئے ہوتے تو کیا ہوتے

کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میرؔ کیا جاتے
انھیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے سے جدا ہوتے

ہستی اپنی حباب کی سی ہے

یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھری اک گلاب کی سی ہے
چشم دل کھول اس بھی عالم پر
یہاں کی اوقات خواب کی سی ہے
بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالب اب اضطراب کی سی ہے
نقطۂ خال سے ترا ابرو
بیت ایک انتخاب کی سی ہے
میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے
آتش غم میں دل بھنا شاید
دیر سے بو کباب کی سی ہے
دیکھئے ابر کی طرح اب کے
میری چشم پر آب کی سی ہے
میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے
اب ظلم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے
بس ہم نہ برا مانے تو کون برا مانے
سرمایۂ صداقت دیدار کی خواہش ہے
دل کی تو سمجھ لیجئے گر چشم کہا مانے

مسدود ہی اے قاصد بہتر ہے رہ نامہ
کیا کیا نہ لکھیں ہم تو جو یار لکھا مانے

ٹک حال شکستہ کی سننے ہی میں سب کچھ ہے
پردہ تو سخن رس ہے اس بات کو کیا مانے

بے طاقتی دل نے سائل بھی کیا ہم کو
پر میرؔ فقیروں کی یہاں کون صدا مانے

دل کے معمورے کی مت کر فکر فرصت چاہیے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاہیے

عشق و میخواری نبھے ہے کوئی درویشی کے بیچ
اس طرح کے خرچ لاحاصل کو دولت چاہیے

عاقبت فرہاد مر کر کام اپنا کر گیا!
آدمی ہووے کسی پیشے میں جرأت چاہیے

ہو طرف مجھ پہلواں شاعر کا کب عاجز سخن
سامنے ہونے کو صاحب فن کی قدرت چاہیے

عشق میں وصل و جدائی سے نہیں کچھ گفتگو
قرب و بعد اس جا برابر ہے محبت چاہیے

نازکی کو عشق میں کیا دخل ہے اے بلہوس
یہاں صعوبت کھینچنے کو جی میں طاقت چاہیے

تنگ مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر
خیریت ہے میرؔ صاحب دل سلامت چاہیے

جب نام ترا لیجئے تب چشم آہ بھر آوے

اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے
تلوار کا بھی مارا خدا رکھے ہے ظالم
یہ تو ہو کوئی گور غریباں میں در آوے
میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہاں شیخ
دیوار پہ خورشید کا مستی سے آوے
کیا جانیں وہ مرغان گرفتار چمن کو
جن تک کہ بصد ناز نسیم سحر آوے
تو صبح قدم رنجہ کرے ٹک تو ہے ورنہ
کس واسطے عاشق کی شب غم بسر آوے
دیواروں سے سر مارتے پھرنے کا گیا وقت
اب تو ہی مگر اب کبھو اس اور در آوے
واعظ نہیں کیفیت میخانہ سے آگاہ
اک جرعہ بدل ورنہ یہ مندیل ہر آوے
صناع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہنر آوے
اے وہ کہ تو بیٹھا ہے سر راہ پر زنہار
کہیو جو کبھی میرؔ بلا کش ادھر آوے
مت دشت محبت میں قدم رکھ کہ خضرؑ کو
ہر گام پہ اس رہ میں سفر سے حذر آوے
اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت کرو گے

زنہار اگر خستہ دلاں بستیوں جاو
ٹک پاس ہنر فرہاد کرو گے
غیروں پر اگر کھینچو گے شمشیر تو خوباں
اک اور مری جان پہ بیداد کرو گے
جا گہ نہیں یہاں روئیے جس پر نہ کھڑی ہو
کچھ شور ہی شریر تو مجھے یاد کرو گے
اس دشت میں اے راہ رواں ہر قدم اوپر
مانند جرس نالہ و فریاد کرو گے
گر دیکھو گے تم طرز کلام اس کی نظر کر
اے اہل سخن میرؔ کو استاد کرو گے
ہم ہوئے، تم ہوئے، کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
جن کی خاطر کی استخواں شکنی
سو ہم ان کے نشان تیز ہوئے
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے
آگے یہ بے ادائیاں کب تھیں
ان دنوں تم بہت شریر ہوئے
اپنے روتے ہی روتے صحرا کے
گوشے گوشے میں آب گیر ہوئے
ایسی ہستی عدم میں داخل ہے

نے جواں ہم نہ طفیل شیر ہوئے
ایک دم تھی نمود بود اپنی
یا سفیدی کی یا اخیر ہوئے
یعنی مانند صبح دنیا میں
ہم جو پیدا ہوئے سو پیر ہوئے
مت مل اہل دول کے لڑکوں سے
میرؔ جی ان سے مل فقیر ہوئے

مہوشاں پوچھیں نہ ٹک ہجراں میں گر مر جایئے
اب کہو اس شہر نا پرساں سے کدھر جایئے
مضطرب اس آستاں سے اٹھ کے کچھ پایا نہ رو
منہ رہا ہے کیا جو پھر اب اس کے در پہ جایئے
بعد طوف قیس ہو جی زائر فرہاد بھی
دشت سے اٹھئے تو کوہوں میں مقرر جایئے
شوق تھا جو یار کے کوچے ہمیں لایا تھا میرؔ
پانوں میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جایئے

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
ہوتا نہیں ہے اس لب نو خط پر کوئی سبز
عیسیٰ و خضرؑ کیا سبھی یک بار مر گئے
یوں کانوں کان گل نے نہ جانا چمن میں آہ
سر کو پٹک کے ہم پس دیوار مر گئے

صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاع دل کے خریدار مر گئے

مجنوں نہ دشت میں ہے نہ فرہاد کوہ میں
تھا جن سے لطف زندگی سے دیار مر گئے

افسوس دے شہید کہ جو قتل گاہ میں
لگتے ہی اس کے ہاتھ کی تلوار مر گئے

تجھ سے دچار ہونے کی حسرت کے مبتلا
جب جی ہوئے وبال تو ناچار مر گئے

گھبرا نہ میرؔ عشق میں اس سہل زیست پر
جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے

نہیں وسواس جی گنوانے کے
ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میرے تغیر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

دم آخر ہی کیا نہ آتا تھا
اور بھی وقت تھے بہانے کے

اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں
ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے

بس ہیں دو برگ گل قفس میں صبا
نہیں بھوکے ہم آب و دانے کے

مرنے پر بیٹھے ہیں سنو صاحب

بندے ہیں اپنے جی جلانے کے
اب گریباں کہاں کہ اے ناصح
چڑھ گیا ہاتھ اس دوانے کے
دل و دین ہوش و صبر سب ہی گئے
آگے آگے تمہارے آنے کے
مژہ ابرو نگہ سے اس کی میرؔ
کشتہ ہیں اپنے دل لگانے کے
ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے
مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
مقام خانۂ آفاق وہ ہے
کہ جو آیا ہے یہاں کچھ کھو گیا ہے
کچ آؤ زلف کے کوچہ میں درپیش
مزاج اپنا ادھر اب تو گیا ہے
سرہانے میرؔ کے کوئی نہ بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے
عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پر خون کی اک گلابی سے
جی ڈھا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا
داغ ہوں اس کی بے حجابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

دل کی بات کہیں نہیں جاتی چپکے رہنا ٹھانا ہے
حال اگر ہے ایسا ہی تو جی سے جانا جانا ہے

اس کی نگاہ تیز ہے میرے دوش دبر پر ان روزوں
یعنی دل پہلو میں میرے تیر ستم کا نشانا ہے

سرخ کیسو آنسو ہیں روتے زرد کبھو ہے منہ تیرا
کیا کیا رنگ محبت کے ہیں یہ بھی ایک زمانا ہے

اس توحیدی بیغایت پر کس مقدار کڑھا کریئے
دو دم جیتے رہنا ہے تو قیامت تک مر جانا ہے

فرصت ہے یاں کم رہنے کی بات نہیں کچھ کہنے کی
آنکھیں کھول کے کان جو کھولو بزم جہاں افسانا ہے

فائدہ ہو گا کیا مترتب ناصح ھرزہ درائی سے
کس کی نصیحت کون سنے ہے عاشق تو دیوانا ہے

تیغ نے اس کے کیوں نہ گردن ڈال کے جا بیٹھیں
سر تو آخر کار ہمیں بھی خاک کی اور جھکانا ہے

آنکھوں کی یہ مردم داری دل کو کسو دلبر سے ہے

طرز نگہ طراری ساری میرؔ تمہیں پہچانا ہے

روتا پھرا ہوں برسوں لوہو چمن چمن میں
کوچے میں اس کے یکسر گلکاری ہو گئی ہے

یک جا اٹک کے رہنا ہے ناتمامی ورنہ
سب میں وہی حقیقت یہاں ساری ہو گئی ہے

مطلق اثر نہ دیکھا مدت کی آہ و زاری
اب نالۂ و فغاں سے بیزاری ہو گئی ہے

انداز شوخی اس کے آتے نہیں سمجھ میں
کچھ اپنی بھی طبیعت یہاں عاری ہو گئی ہے

شاہی سے کم نہیں ہے درویشی اپنے ہاں تو
اب عیب کچھ جہاں میں ناداری ہو گئی ہے

ہم کو تو درد دل ہے، تم زرد کیوں ہو ایسے
کیا میرؔ جی تمہیں کچھ ہماری ہو گئی ہے

چلی جاتی ہی نکلی جان ہے تدبیر کیا کریئے
مداوا سے مرض گزرا کہو اب میرؔ کیا کریئے

نہ رکھا کر کے زنجیر پریشاں دل ہمارے کو
ہوئی یہ اب تو تیری زلف سے تقصیر کیا کریئے

کریں استادگی آیا تھا جی پہ قتل ہونے میں
یہ اپنا کام ہے قاتل یہ اس کو دیر کیا کریئے

نہیں آتا ہے کوئی ڈھب ہمیں آسودہ ہونے میں
بھلا تو ہی بتا اے خاطر دلگیر کیا کریئے

کیا پوچھتے ہو عاشق راتوں کو کیا کرے ہے
گاہے بکا کرے ہے گاہے دعا کرے ہے

دانستہ اپنے جی پر کیوں تو جفا کرے ہے
اتنا بھی میرے پیارے کوئی کڑھا کرے ہے

فتنہ سپہر کیا کیا برپا کیا کرے ہے
سو خواب میں کبھو تو مجھ سے ملا کرے ہے

کسی ایسے سادہ رو کا حیراں حسن ہے یہ
مرآت گاہ و بیگہ بھیچک رہا کرے ہے

ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

کیا کہیے داغ دل ہے ٹکڑے جگر ہے سارا
جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے

اس بت کی کیا شکایت راہ و روش کی کریئے
پردے میں بدسلوکی ہم سے خدا کرے ہے

کیا چال یہ نکالی ہو کر جوان تم نے
اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے

گرم آ کر ایک دن وہ سینے سے لگ گیا تھا
تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے

دشمن ہو، یار جیسا درپے ہے خوں کے میرے
ہے دوستی جہاں وہاں یوں ہی ہوا کرے ہے

سمجھا ہے کہ یہ مجھ کو خواہش ہے زندگی کی

کس ناز سے معالج میری دوا کرے ہے
حالت میں غش کے کس کو خط لکھنے کی ہے فرصت
اب جب نہ تب ادھر کو جی چلا کرے ہے
سرکا ہے جب وہ برقع تب آپ سے گئے ہیں
منہ کھولنے سے اس کے اب جی چھپا کرے ہے
بیٹھے یار آ کر جس جا پہ ایک ساعت
ہنگامۂ قیامت وہاں سے اٹھا کرے ہے
سوراخ سینہ میرے رکھ ہاتھ بند مت کر
ان روزنوں سے دل تک کسب ہوا کرے ہے
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے
گل ہی کی اور ہم بھی آنکھیں لگا رکھیں گے
ایک آدھ دن جو موسم ابکی وفا کرے ہے
گہ سرگزشت ان نے فرہاد کی نکالی
مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ میرؔ عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے
فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

کوئی نا امید نہ کرنے نگاہ
سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے

بہت آرزو تھے گلی کی تری
سو یہاں سے لہو میں نہا کر چلے

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا!
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

جبین سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حق بندگی ہم ادا کر چلے

پرستش کی یہاں کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں
چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے

نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

گئی عمر در بند فکر غزل
سو اس فن کو ایسا برا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

☆☆☆☆☆

THE END_______ختم شد______

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006